٢٦
٢٧

سنبھل کے ذرا چل

اتنا نہ اپنے جامہ سے باہر نکل کے چل
دنیا ہے چل چلاؤ کا راستہ سنبھل کے چل

کم ظرف، پُرغرور، ذرا اپنا ظرف دیکھ
مانندِ جوشِ خُم نہ زیادہ اُبل کے چل

فرصت ہے اک صدا کی یہاں سوزِ دل کے ساتھ
اس پر سپندوار نہ اتنا اُچھل کے چل

یہ غول وش ہیں، ان کو سمجھ نہ تُو رہنما
سایہ سے بچ کے اہلِ فریب و دغل کے چل

اوروں کے بل پر بل نہ کر اتنا نہ چل نکل
بل ہے تو بل کے بل پہ تو کچھ اپنے بل کے چل

پھر آنکھیں بھی تو دی ہیں کہ رکھ دیکھ کر قدم
کہتا ہے کون تجھ کو نہ چل، چل سنبھل کے چل

(آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر مرحوم)

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

مرویات معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ —— محمد سعید الرحمٰن علوی

عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ جَاءَ مُعَاوِیَۃُ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اِلٰی اَبِیْ هَاشِمِ بْنِ عُتْبَۃَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وَ هُوَ مَرِیْضٌ یَعُوْدُہٗ فَوَجَدَہٗ یَبْکِیْ فَقَالَ یَا خَالُ مَا یُبْکِیْكَ اَوَجَعٌ یُشْئِزُكَ اَمْ حِرْصٌ عَلَی الدُّنْیَا فَقَالَ کَلَّا وَ لٰکِنْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم عَهِدَ اِلَیْنَا عَهْدًا لَمْ نَاْخُذْ بِہٖ قَالَ وَ مَا ذَاكَ قَالَ سَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ اِنَّمَا یَکْفِیْ مِنْ جَمْعِ الْمَالِ خَادِمٌ وَّ مَرْکَبٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاَجِدُنِی الْیَوْمَ قَدْ جَمَعْتُ (رواہ الترمذی)

(رواہ الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۱۲۴)

ترجمہ: حضرت ابو وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضرت ابو ہاشم بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لائے۔ وہ بیمار تھے۔ آپ کا مقصد ان کی تیمارداری تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں۔ حضرت معاویہ رضؓ نے رونے کی وجہ دریافت کی اور پوچھا کہ کوئی درد یا اس قسم کی تکلیف آپ کو بے چین کئے ہوئے ہے یا دنیا چھوڑنے کا غم پریشان کر رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جناب سرورِ کائنات صلی اللہ تعالےٰ علیہ و اصحابہ وسلم نے ہم سے ایک عہد لیا تھا افسوس کہ ہم اس پر قائم نہ رہ سکے۔ انہوں نے پوچھا کہ وہ کیا؟ تو انہوں نے کہا کہ میں نے آپ سے سنا تھا کہ دنیوی مال کے معاملہ میں ایک خادم اور اللہ کی راہ میں ایک سواری تمہارے لئے کافی ہے لیکن میرا جمع شدہ سرمایہ آج مجھے نظر آرہا ہے جس وجہ سے میں رو رہا ہوں کہ میں نے اس عہد کی پاسداری نہ کی۔

حضرات صحابہ علیہم الرضوان نے سرورِ کائنات علیہ السلام کی صحبت میں رہ کر جس طرح اپنے آپ کو فقر و استغناء اور زہد و قناعت کے رنگ میں رنگا اس کا اندازہ مندرجہ بالا روایت سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ کس طرح ایک صحابی اپنی بیماری کے دوران بلک بلک کر رو رہا ہے اور اپنے گھر کا معمولی سرمایہ اور سامان اس پر بار ہو رہا ہے کیونکہ اس کا خیال یہ ہے کہ سرکارؐ کی تعلیم کا تقاضہ یہ تھا کہ ایسا نہ ہوتا۔

انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں جن چیزوں کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے ان میں دنیا کی بے ثباتی اور اس سے عدم تعلق بھی ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے اپنے نام لیواؤں کو آخرت کی زندگی کے لئے تیار کیا اور اپنے عمل و کردار سے ان کے سامنے ایسا نمونہ پیش کیا کہ گویا وہ لوگ دنیا سے لاتعلق ہی ہو گئے لیکن اگر کبھی خالقِ کائنات نے اپنے فضل و احسان سے انہیں سرفراز فرمایا اور مال و ثروت کی شکل میں ان پر نعمتوں کا فیضان ہوا تو انہوں نے اپنے آپ کو اس کا مالک نہیں بلکہ امین گردانا اور ان ہدایات ربانی پر عمل کیا جو اس معاملہ میں مال دینے والے کی تھیں۔ قرآن مجید نے ایک سوال کے جواب میں "العفو" کی تعلیم دی تھی جس کا مطلب یہ

(باقی ۹ پر)

جلد ۲۶ ☆ شمارہ ۲۷

۲۳ صفر المظفر ۱۴۰۱ھ ☆ ۲ جنوری ۱۹۸۱ء

اس شمارہ میں

رئیس الادارہ
پیرِ طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ
مدیر منتظم
مولوی محمد اجمل قادری
مدیر
محمد سعید الرحمٰن علوی

بدل اشتراک: سالانہ -/۶۰، ششماہی -/۳۰
سہ ماہی -/۱۵، فی پرچہ ۱/۵۰

(اداریہ)

پاکستانی فقہ

پاکستان جو اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آیا تھا طویل عرصہ گذرنے کے باوجود ابھی تک وہ مقصد حاصل نہیں ہو سکا۔ اس راہ کی جو مشکلات ہیں ان میں ایک مشکل یہاں پر موجود مختلف فقہی مسالک کا وجود قرار دیا جاتا ہے۔ . . . .

مشکلات ہیں ان میں جو واقعی ہیں ان پر آج تک توجہ نہیں دی گئی۔ اور فرضی مشکلات کا نام لے کر برابر اس مقصد سے گریز کیا جا رہا ہے —— اصل میں جو رکاوٹیں اور مشکلات ہیں ان میں انتظامی مناصب پر سرفراز اہل کاروں کا منفی اور معاندانہ طرزِ عمل ہے کیونکہ ان حضرات کی تعلیم و تربیت جس ماحول اور آغوش میں ہوئی ہے اس کا لازمی تقاضہ اسی شکل میں سامنے آتا ہے۔ ہم نے کئی بار عرض کیا کہ ملک میں دو متوازی نظام تعلیم ایسے ہیں جن کا اس آزاد ملک میں ختم ہو جانا ضروری تھا اور قدیم و جدید ماہرین تعلیم جو اسلام کے دین حیات ہونے پر یقین رکھتے ہیں ان کے مشورہ سے ایسا نظامِ تعلیم مرتب کرنا اور پھر نافذ کرنا ضروری تھا جو ہماری روایات کے عین مطابق ہو لیکن ایسا نہ کیا گیا۔ اور اب تک اس بنیادی مسئلہ کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی۔ نتیجہ یہ ہے کہ صورت حال روز بد سے بدتر ہوتی چلی جا رہی ہے ——

اس ماحول سے نکلے ہوئے حضرات کے خلوص نیت پر ہم بوجوہ

شبہ نہیں کرتے لیکن یہ کہنے کی جرأت کریں گے کہ ان کا ذہن اپنی روایات کے معاملہ میں صاف نہیں اور بدقسمتی سے وہ عجیب و غریب قسم کی الجھنوں کا شکار ہیں اپنی ان الجھنوں کا علاج کرنے کے بجائے علماء کے اختلافات یا مختلف فقہی مسالک کے وجود کو بنیاد بنا کر گریز کی راہ اختیار کی جاتی ہے اور پھر نئی نئی تجاویز سامنے آتی ہیں جن میں سے ایک تجویز یہ ہے جو "پاکستانی فقہ" کے نام سے سامنے آئی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ علماء کے اختلاف کوئی ایسا ہوا نہیں جو وجہ پریشانی ہو۔ اختلافات معمول کی بات ہے لیکن علماء کے وہ ۲۳ نکات جو ایک عرصہ سے باہمی امور میں ان کے باہمی اتفاق و اتحاد کا مظہر ہیں وہ ہمیں کیوں نظر نہیں آتے؟ —— پھر اس ملک کی واضح اور بھرپور اکثریت حضرت الامام ابوحنیفہ قدس سرہٗ کے نام لیواؤں کی ہے اور اس کے بالمقابل جس دوسری مرتی فقہ (؟) کا بہانہ بنایا جا رہا ہے وہ مخصوص سیاسی عوامل کی پیداوار تو ہے اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں اور اگر کوئی محدود طبقہ فقہ حنفی سے گریز کرتا ہے اور کسی دوسرے رخ کو اپنے لئے اپناتا ہے تو اس کو کوئی منع نہیں کرتا — وہ اپنے معاملات و مسائل میں بڑے شوق سے اپنے مخصوص مسائل پر عمل کرے

لیکن ایک محدود طبقہ کی وجہ سے "ساری ملت" کو حقیقت سے محروم رکھنا کسی طرح مناسب نہیں۔ مصری علماء کی کاوش سے "الفقہ علی المذاہب الاربعہ" کے نام سے جو علمی خدمت سامنے آئی ہے اور جسے خود حکومت پاکستان کے محکمہ اوقاف نے ترجمہ کر کے شائع کیا ہے وہ بجائے خود ایک بہتر دستاویز ہے جس سے آج کے دور میں خاطر خواہ استفادہ ہو سکتا ہے اور موجودہ نظریاتی کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب کی علمی کاوش جو کئی جلدوں میں سامنے آ چکی ہے اس کو ملک کے صفِ اوّل کے علماء نے پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا ہے۔ وہ ایک معرکہ کی چیز ہے اس سے کام لیا جا سکتا ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود نئی نئی تجویزوں کے چکر میں قوم کو ڈال کر اصل معاملہ کو کھٹائی میں ڈالا جا رہا ہے جو کسی صورت مناسب نہیں۔

ہم پھر عرض کریں گے کہ ہم کسی کی نیت پر شبہ نہیں کرتے لیکن یہ درخواست کریں گے کہ خدا را اب اس معاملہ میں مزید تاخیر نہ کی جائے ورنہ قدرت کی بے آواز لاٹھی گریز و فرار اختیار کرنے والی قوموں کا سا سلوک ہم سے کرے گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اصلاحِ احوال کی توفیق دے۔ علوی

آہ! مولانا عبدالقیوم کانپوری

عزیز محترم علوی صاحب زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اُمید ہے کہ مع الخیر ہوں گے۔ مولانا مرحوم کی رحلت کی خبر پڑھ کر جو تاثرات قلم برداشتہ صفحہ قرطاس پر آ گئے ہمراہ اشاعت ارسال کرتا ہوں اب اللہ تعالیٰ ہم سب کی عاقبت بخیر کرے آمین۔ والسلام۔ دعاگو و دعاجو بندہ محمد حسن عفی عنہٗ

مولانا مرحوم تقسیمِ ملک سے قبل مجلس احرارِ اسلام ہند کے مخلص رہنماؤں میں شمار ہوتے تھے اور یو۔پی کی صوبائی جماعت کے روح رواں تھے۔ آپ نے مجلس احرار کی تحریک مدح صحابہ فوجی بھرتی بائیکاٹ تحریک اور دیگر سرگرمیوں میں نمایاں کردار ادا کیا اور قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہوتے رہے۔۔۔۔

تقسیم ملک کے بعد کراچی کے مضافات میں مقیم رہ کر مقدور بھر مذہبی و سماجی خدمات انجام دیتے رہے۔ لیکن مجلس احرار کے ساتھ اگرچہ اس کی جدید تنظیم کے سلسلہ میں کوئی باقاعدہ تعلق قائم نہ رہا۔ تاہم ۱۹۷۰ء کی عظیم الشان "شہداء ختم نبوت احرار کانفرنس" منعقدہ لاہور میں شرکت فرمائی تھی اور وہیں ان سے آخری ملاقات ہوئی۔

ماشاء اللہ بہت باغ و بہار طبیعت کے مالک تھے اور ان کی صحبت میں بیٹھنے سے بزرگانِ احرار کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔

اب "جنگ" کراچی ایڈیشن میں مرحوم کی رحلت کی خبر پڑھ کر انتہائی تاسف ہوا اور طوافِ بیت اللہ (زاد شرفہا) بادائیگی رکعتیں واجب الطواف کر کے مرحوم کو ایصالِ ثواب کیا گیا اور یہاں مقیم اپنے عزیزوں کو بھی ایصال ثواب اور دعاءِ مغفرت کی تلقین کی گئی۔

رب ذوالجلال والاکرام مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور درجات بلند فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق ارزانی فرمائے (آمین) محمد حسن چغتائی بہاولپوری مقیم مکۃ المکرمہ

مجلسِ ذکر

ضبط و ترتیب : علوی

"دین" سراسر ادب کا نام ہے

پیرِ طریقت حضرت مولانا عبیداللہ انور دامت برکاتہم

محترم حضرات! اَلدِّیْنُ کُلُّہٗ اَدَبٌ کا مقولہ آپ نے بارہا سنا ہو گا۔ ہمارے بزرگ یہی بات فرماتے ہیں کہ دین سراسر ادب کا نام ہے اور یہ بات بھی آپ نے سنی ہو گی کہ ع بے ادب محروم گشت از فضلِ رب —— کہ بے ادب اللہ تعالےٰ کے فضل سے محروم رہتا ہے۔ قرآن عزیز نے بہت سی آیات میں اپنے بندوں کو مختلف انداز سے ادب و احترام کا سبق اور حکم دیا ہے مثلاً سورۂ حج کی آیت ۳۲ میں اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کے تقویٰ اور پاکدامنی کی تعریف کی جو "شعائر الٰہی" کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ اسی طرح اور بھی آیات قرآن مجید میں ہیں اور حضور علیہ السلام سے متعدد ارشادات موجود ہیں جن میں ادب و تکریم کی مختلف انداز سے تلقین و نصیحت کی گئی ہے اور حکم دیا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ کوئی صاحب اولاد اپنی اولاد کے لئے "ادب" سے بڑھ کر اچھا سرمایہ چھوڑ کر نہیں جاتا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص تین بیٹیوں یا بہنوں کی تربیت کرے اور ان کو ادب سکھائے اور ان کے معاملہ میں شفقت و ترحم کا معاملہ کرے اور ان کے اچھے بَر تلاش کر کے ان کی شادی کر دے تو اللہ تعالےٰ اس کے لئے جنّت واجب کر دے گا۔ کسی شخص نے دو بیٹیوں کے متعلق پوچھا تو آپ نے ان کے متعلق بھی یہی فرمایا۔ اور ایک کے متعلق بھی یہی فرمایا۔

ایک حدیث میں روٹی کا "ادب" کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص نے زمین سے کوئی ایسا کاغذ اٹھا لیا جس میں اللہ کا نام لکھا ہو گا اور اس نے ایسا "ادب" کی بنیاد پر کیا اللہ تعالےٰ اس کو "صدیقین" میں لکھے گا۔

ایک حدیث میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص روٹی کی ناقدری کرتا اور بے ادبی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بھوک میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

الغرض ذخیرہ حدیث میں اتنے ارشادات ہیں کہ ان کے پیشِ نظر یہ بات کہنی درست ہے کہ دین نام ہی ادب کا ہے۔ شرعاً ادب کا مفہوم یہ ہے کہ اسلام نے جس کام کے لئے جو قاعدہ مقرر کیا ہے اس کو اسی کے مطابق ادا کیا جائے اور ادب کی حقیقت جو بزرگانِ دین سے منقول ہے وہ ہے مسلمان کی "راحت رسانی" گویا وہ جو حدیث ہے کہ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ۔ کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے۔

آج کل پورے معاشرہ میں بے ادبی کا دور دورہ ہے۔ ملک، قوم، علم، تعلیمی ادارے، ماں باپ، اساتذہ الغرض کسی کا بھی معاشرہ میں احترام نہیں رہا۔ اور بعض طبقات کا احترام تو ایسا اُٹھ گیا ہے کہ توبہ بھلی! مثلاً علماء ہی ہیں یہ طبقہ کس مپرسی اور بے بسی کے باوجود دین اسلام کی مشعل جلا رہا ہے اور دینی پودے کو اپنے خونِ جگر سے سینچ رہا ہے۔ لیکن عام لوگ اس طبقہ کے متعلق ایسا ردیہ

اختیار کرتے ہیں جو دین و دیانت کسی بھی اعتبار سے صحیح اور درست نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ علماء بھی انسان ہیں اور انسانی تقاضوں کے پیشِ نظر بھول چوک ان سے بھی ہو جاتی ہے لیکن اس کا یہ مقصد تو نہیں کہ ان کی تمامتر محنت و کوشش کو رائیگاں سمجھ لیا جائے اور ان پر پھبتی کسی جائے اور ان کا مذاق اڑایا جائے۔

حضرت تھانویؒ سے منقول ہے آپ فرماتے کہ بے ادبی گناہوں سے زیادہ مضر ہے اور جو لوگ علماء و مشائخ کی شان میں بے ادبی کرتے ان کے معاملہ میں مجھے بہت ہی ڈر لگتا ہے کیونکہ اس کے عواقب و نتائج بہت خطرناک ہیں۔ جن لوگوں کو اللہ تعالےٰ اس معاملہ میں صحیح سوجھ نصیب فرما دیتے ہیں ان پر اللہ تعالےٰ اپنا بے پناہ فضل فرماتے ہیں ــــــ ہمارے محترم ڈپٹی محمد یوسف صاحب کا اسی ہفتہ انتقال ہوا۔ حضرت رحمہ اللہ تعالےٰ سے آپ کو غایت درجہ تعلق تھا۔ اور پھر برادرِ محترم و مکرّم حضرت الحاج حافظ حبیب اللہ صاحب نور اللہ تعالیٰ مرقدہٗ سے بہت تعلق خاطر تھا۔ اپنے آخری لمحاتِ حیات تک حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی یادگار انجمن خدام الدین اور اس کے متعلقہ شعبوں سے بے پناہ تعلق رہا اور انجمن کی بہتری کے لئے سرگرم عمل رہے۔ حضرت حافظ صاحب کی وفات کے بعد جب ہمیں حج کی سعادت نصیب ہوئی تو محترم ڈپٹی صاحب پہلے وہاں تھے حافظ صاحب نے اپنے عظیم الشان کتب خانے کے بیسے دارالعلوم دیوبند کے لئے وصیت کی تھی وہ وہاں منتقل ہوا باقی چیزیں جن میں جھاڑو اور بیٹھنے کے ٹاٹ شامل تھے ڈپٹی صاحب ہمراہ لے کر آئے اور کوئی چیز وہاں نہ رہنے دی۔ زندگی کے آخری دنوں میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے خواب میں انہیں لاہور منتقل ہونے اور انجمن کا کام سنبھالنے کی تلقین کی۔ اس کے بعد وہ لاہور آ گئے اور پھر انجمن کی فلاح و بہبود کے لئے ایسے ایسے کام کئے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے ـــ انجمن کی بہت ساری جائداد تھی جو کہ کرایہ داروں کے غلط طرز عمل کا شکار تھی۔ اللہ تعالےٰ نے ان کی سعی سے سب کو اصل ہاتھوں میں لوٹایا ــــــ مرحوم نے وکالت کا امتحان پاس کیا لیکن حضرت کے حکم سے پولیس میں گئے اور وہاں نظم و انتظام، قانون و شرافت اور مظلوم و حقدار کی داد رسی کی جو مثالیں قائم کیں وہ ایک مستقل داستان ہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی اُن کے احترام کا یہ عالم تھا کہ جس پولیس افسر سے ملتے وہ جھک جاتا اور جس صحیح کام کی طرف توجہ دلاتے وہ پس وپیش کے بغیر کرتا۔

الغرض بڑی خوبیاں تھیں اللہ تعالےٰ انہیں بال بال مغفرت فرمائے۔

میرے خیال میں انہیں یہ عزت و توقیر جو حاصل ہوئی وہ اسی وجہ سے کہ انہوں نے فرائض دینی میں کوتاہی نہیں کی۔ ذکر و فکر ان کی غذا تھی اور جن سے یہ نعمت ملی تا دم آخر ان سے وابستہ رہے اور ادب و تواضع میں حد کر دی۔

اللہ تعالےٰ ہمیں اپنے دین کے تقاضوں کے مطابق جینے کی توفیق دے اور اسلام پر ہماری موت واقع ہو۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین!

خطبہ جمعہ

ضبط و ترتیب :: فاروقی

اللہ تعالیٰ کے ہاں عزّت "تقویٰ" سے حاصل ہوتی ہے

○ جانشین شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عُبید اللہ انور مدّظلہم ○

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ: امّا بعد: فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:ـــ

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ۝

صدق اللہ العظیم۔

خطبہ میں تلاوت کردہ آیت کریمہ میں اللہ تعالےٰ نے ایک اہم مضمون کو بیان فرمایا ہے جس کی تمام تفصیلات کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ پیغمبر کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت اور آپ کے مقام و شان کا آغاز ہے ـــ آیت کریمہ کا ترجمہ یہ ہے :۔

ترجمہ شیخ الہندؒ

"اور جب آزمایا ابراہیمؑ کو اس کے رب نے کئی باتوں میں پھر اُس نے وہ پوری کیں تب فرمایا میں تجھ کو کروں گا سب لوگوں کا پیشوا۔ بولا اور میری اولاد میں سے بھی ؟ فرمایا نہیں پہنچے گا میرا قرار ظالموں کو۔"

حاشیہ شیخ الاسلامؒ

جیسے حج کے افعال اور ختنہ اور حجامت اور مسواک وغیرہ، سو حضرت ابراہیم علیہ السلام اُن احکام کو اللہ کے ارشاد کے موافق اخلاص کے ساتھ بجا لائے اور سب کو پوری طرح سے ادا کیا جس پر لوگوں کے پیشوا بنائے گئے "بنی اسرائیل" اس پر بہت مغرور تھے کہ ہم اولادِ ابراہیمؑ میں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ کیا ہے کہ نبوّت و بزرگی تیری اولاد میں رہے گی۔ اور ہم حضرت ابراہیمؑ کے دین پر ہیں اور ان کے دین کو سب مانتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ اُن کو سمجھاتا، کہ اللہ تعالےٰ کا جو وعدہ تھا وہ اُن سے تھا جو نیک راہ پر چلیں اور حضرت ابراہیمؑ کے دو بیٹے تھے ایک مدت تک حضرت اسحٰق کی اولاد میں پیغمبری اور بزرگی رہی اب حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں پہنچی"۔

محترم حضرات! اس آیت کریمہ میں پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت، ان کی آزمائش و امتحان میں کامیابی اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی انعام و اکرام کا بیان ہوا اور پھر اس حقیقت کا بیان ہوا کہ یہ انعام و اکرام کسی نسبی تعلق کی وجہ سے بعد کی نسلوں میں منتقل نہ ہوگا۔ بلکہ صرف اور صرف وہ اولاد و نسل ہی اس کے روحانی فوائد اور اللہ تعالیٰ کے فضل و اکرام سے نوازی جائے گی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی متبع اور اللہ کے احکام کی پابند ہو کر اپنے کو اس انعام کا مستحق ثابت کرے گی۔

امتحان اور اکرام

حضرت ابراہیمؑ اللہ تعالیٰ کے وہ جلیل القدر پیغمبر ہیں جنہوں نے ایسے ماحول میں آنکھ کھولی جو تبلیغ دین کے لئے قطعاً سازگار نہ تھا

لیکن پھر بھی آپ نے حالات کی پرواہ کئے بغیر اللہ تعالیٰ کی رضاء و خوشنودی کے لئے بیک وقت اپنے بت پرست خاندان، چاند، سورج اور ستاروں کو پوجنے والی قوم اور اپنی خدائی و الوہیت کا دعویٰ کرنے والے اقتدار کے ساتھ ٹکر لی اور ان کے سامنے توحید الٰہی کا پیغام پیش کیا جس کی پاداش میں آپ کو سخت ترین حالات سے دوچار ہونا پڑا۔

محترم حضرات! اگر حضرت ابراہیمؑ کی سیرت پر نگاہ ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی پوری زندگی بس ابتلاء و آزمائش اور اللہ تعالےٰ کے ساتھ اپنی محبت و عشق کے امتحانات میں گذری ہے۔ پھر یہ آپ کی عظمت و استقامت ہے کہ آپ ہر امتحان میں کامیاب ہوئے۔ اپنی جان، اپنے مال، اپنے خاندان، تعلقات، وطن اور پھر اولاد تک کی قربانی سے دریغ نہیں کیا تو پھر اللہ تعالےٰ نے بھی آپ کے درجات کو بلند فرمایا۔ اور اپنی طرف سے قیمتی انعام کے ساتھ نوازا۔ فرمایا اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ط کہ ہم نے آپ کو لوگوں کا پیشوا بنا دیا ہے۔

محترم حضرات! اس کے بعد قرآن نے اسلام کی اس عظمت کا بیان کیا ہے جو صرف اسی مذہب کا طرۂ امتیاز ہے اور وہ یہ کہ اسلام وہ پہلا اور واحد مذہب ہے جس نے خاندانی اور نسلی امتیاز کو عزت و برتری کا معیار قرار دینے کی بجائے صرف اور صرف تقویٰ، پرہیزگاری اور صلاحیت کو مدارِ عزت قرار دیا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں موجود ہے کہ ہم نے تمہاری شاخیں اور قبیلے باہمی تعارف کے لئے بنائے ہیں (جو معیار عزت نہیں) اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ — بے شک تم میں سے اللہ تعالےٰ کے ہاں زیادہ عزت دار وہی ہے جو زیادہ متقی و پرہیزگار ہے۔

اسی حقیقت کو یہاں بیان کیا کہ جب ہم نے حضرت ابراہیمؑ کے تمام امتحانات میں کامیابی کے بعد انہیں لوگوں کی امامت، پیشوائی، رہنمائی اور سرداری کے منصب پر فائز فرمایا تو اس فطری جذبہ کے پیش نظر جو ہر باپ کو اپنی اولاد سے ہوتا ہے۔ سوال کیا کہ اے اللہ! کیا یہ عظمت و وقار میری اولاد کو بھی حاصل ہوگا؟ اور امامت و پیشوائی کے منصب جلیل پر میری نسل کو بھی فائز کیا جائیگا۔ تو فرمایا لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْن کہ امامت و سرداری کوئی ایسی جاگیر نہیں جو نسلاً بعد نسلٍ اولاد کی طرف وراثتاً منتقل ہوتی رہے خواہ وہ اولاد اُس کی اہل ہو یا نہ ہو اور نہ ہی یہ منصب سیادت اولاد کے لئے کوئی ایسا شجرِ ممنوعہ ہے جو صلاحیت و اہلیت کے باوجود اُسے عطا نہ کیا جائے۔ یعنی واضح فرما دیا کہ میرا یہ وعدہ ظالموں، نافرمانوں اور نا اہل لوگوں کے لئے نہیں کہ اگر آپ کی اولاد آپ کا اتباع اور ہمارے احکام کے مطابق زندگی گذار کر اپنے آپ کو اس منصب کا مستحق ثابت کرے گی۔ تو ضرور یہ منصب اسے ملے گا۔ لیکن اگر وہ فسق و فجور اور سرکشی و نافرمانی کی مرتکب ہو کر ظلم کا راستہ اختیار کرے گی تو اسے لوگوں کی قیادت سے محروم کر دیا جائیگا اور یہی ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ کے دو صاحبزادوں حضرت اسحٰقؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو اور پھر ان کی اولاد کو اللہ تعالےٰ نے روحانی اور سیاسی عظمتوں اور قوموں کی امامت سے نوازا لیکن جب ان میں سے یہودیوں نے سرکشی کی اور سید الکونین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے انکار کا راستہ اختیار کیا تو نہ صرف وہ اس منصب سے محروم کئے گئے بلکہ اللہ تعالےٰ کی ناراضگی اور غضب کے مستحق بن گئے۔ لیکن پھر بھی جب انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اپنے نسلی تعلق کی بناء پر تفاخر کیا تو قرآن نے متعدد مقامات پر اُن کی اس بدعقیدگی کی تردید کی۔ اور واضح طور پر یہ تصور پیش کیا کہ سیادت و قیادت تقویٰ و صلاحیت

کی بنیاد پر چلتی ہے نہ کہ خاندانی نسبت کی بنیاد پر۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ باصلاحیت اور قیادت و امامت کی اہل اولاد کو بھی محروم رکھا جائے بلکہ اگر اولاد اپنے آپ کو انبیاء کے علوم کا وارث ثابت کرے تو اسے اس منصب سے نوازا جائے گا۔

محترم حضرات! اس آیت کریمہ کو درحقیقت حضور علیہ السلام کی سیرت کا پیش خیمہ سمجھا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے آپؐ کو پوری نسل انسانیت اور اقوام عالم کا امام اس لئے مقرر کیا گیا کہ آپؐ اس کے اہل و مستحق تھے۔

اللہ تعالےٰ ہمیں قرآن کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

بقیہ : احادیث الرسولؐ

تھا کہ جو زائد سرمایہ ہے وہ راہِ خدا میں لگا دو۔ اس کے علاوہ قرآن عزیز نے اللہ تعالےٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے "مِمَّا تُحِبُّوْن" خرچ کرنے کی تعلیم دی۔ جس کا مطلب اپنی محبوب ترین اشیاء کا راہِ باری میں صرف کرنا ہے۔

قرآن کی متعدد آیات، سرورِ کائنات علیہ السلام کے اَن گنت ارشادات اور تاریخ و سیر کے صفحات پر بکھرے ہوئے لاتعداد واقعات ہمارے اس دعویٰ کی تائید میں موجود ہیں کہ ان بندگانِ عشق نے کبھی دنیائے سیم و زر کو اہمیت نہیں دی۔ ان کے نزدیک اہمیت تھی تو عبادت و بندگی کی، اخلاص و تقویٰ کی، خدمتِ خلق اور شفقت علی المخلوق کی۔ ایثار و قربانی ان کی زندگی میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ جس نبی نے "فقر" کو اپنا فخر ارشاد فرمایا تھا وہ اسی کے نام لیوا تھے اور اسی کے سچے امتی تھے، اسی چیز کو اپنا سرمایہ تصوّر کرتے تھے، اور یہی ان کی زندگی کی معراج تھی۔ مال آیا تو راہ خدا میں لٹا دیا اور نہ ہُوا تو صبر و قناعت سے زندگی گذار دی۔

آج کچھ لوگ ان اربابِ صدق و صفا کے متعلق جو لن ترانیاں ہانکتے اور ان کے متعلق افسانہ گوئی کے انداز میں کہانیاں گھڑتے ہیں انہیں اس قسم کی روایات کو اپنے ذہن میں رکھنا چاہیئے — اللہ کے نبی علیہ السلام نے جو فرمایا صحابہ علیہم الرضوان نے اس پر عمل کیا۔ اور اگر کبھی اتفاقاً چند سکّے ان کے یہاں جمع ہو گئے تو انہوں نے رو رو کر اپنے آپ کو ہلکان کر لیا۔ اور معلوم ہے کہ اللہ کے خوف سے بہنے والے آنسو کبھی رائیگاں نہیں جاتے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہم

قارئین کرام سے گذارش ہے کہ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر اور کھاتہ نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

ضروری وضاحت

احقر اپنے جد بزرگوار حضرت الحاج حافظ غلام یاسین صاحب قدس سرہٗ کی وفات حسرت آیات کے سلسلہ میں اپنے آبائی قصبہ میں مقیم تھا کہ اس دوران ۱۲ر دسمبر کے "خدام الدین" میں ایک مضمون بعنوان "اسلام اور فرقہ بندی" شائع ہُوا — مجھے اس امر کے اعتراف میں کوئی باک نہیں کہ اس مضمون کے مندرجات کا ایک حصہ مسلک حقہ، اہلسنت و جماعت کے منافی ہونے کے اعتبار سے بالکل نہیں چھپنا چاہیئے تھا لیکن افسوس کہ بوجوہ ایسا ہو گیا۔ اس کی تلافی مناسب وقت پر کر دی جائے گی۔ مَیں تمامتر ذمہ داری اپنے سر لیتے ہوئے جہاں اپنے رب کے حضور اپنی تقصیرات کی معافی چاہتا ہوں وہاں اپنے بزرگوں، احباب اور مخلصین سے بھی معذرت خواہ ہوں۔ ع

والعذر عند کرام الناس مقبول

خاکپائے اسلاف محمد سعید الرحمٰن علوی ۱۶/۱۲

تحریر: قاری عنایت اللہ

انسان کی عظمت نام سے نہیں کام سے ہوتی ہے۔ قاری محمد حبیب اللہ صاحبؒ نے اپنی تنہا ذات سے وہ کام کیا جو بڑے بڑے ادارے اور جماعتیں تمام آسائشوں اور اسباب و وسائل کے مہیا ہونے کے باوجود نہیں کر سکتے۔ آپ کے کام کو جانے بغیر آپ کی عظمت اور وسعتِ علمی کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ آپ بہ یک وقت ایک بلند پایہ محقق شارح قراءات، محررِ فن، عظیم اسکالر اور سب سے بڑھ کر ایک شفیق استاذ و مربّی اور جامع العلوم شخصیت تھے۔

آپ کا تعلق ایک ایسے خاندان سے ہے جو علم و فضل، زہد و تقویٰ اور دینی و طبی خدمات میں ممتاز ہے۔ آپ کا خاندان افغانستان سے آکر صوبہ سرحد کے علاقہ بنوں میں آباد ہوا۔ آپ کا تعلق پٹھانوں کی ناصر کمال خیل شاخ سے ہے آپ کے والد ماجد حکیم غلام حیدر مرحوم بھی ایک جید عالم اور نامور طبیب تھے۔ اور اپنے علاقہ میں صاحبِ فتویٰ اور صاحبِ تالیف تھے۔ اس طرح دادا بھی جیّد عالم اور طبیب تھے۔ آپ کے آباء کی متواتر کئی پشتیں عالمِ دین اور طبیب گزری ہیں۔ علم دین اور علم طب خاندانی ورثہ ہے۔ قاری صاحب نے ان علوم کو نہ صرف پورا پورا حاصل کیا بلکہ حدِ کمال کو پہنچایا۔

انہوں نے "موضح القراآت" میں قرآن کریم کے ہر ہر لفظ کی سات قراءتیں لکھیں اور "اجراء السبع" لکھ کر علم تجوید و قراءت میں ایک عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔

یہاں تک کہ آپ نے اسلام کے ایک روشن ستارہ کی حیثیت اختیار کر لی۔ آپ اپنے بڑے بھائی مولوی حکیم عبداللہ مرحوم کے ہمراہ بچپن میں ٹونک آگئے تھے۔ جو مولانا حکیم برکات احمدؒ شاہی طبیب والیٔ ریاست ٹونک کے شاگرد ایک جیّد عالمِ دین اور طبیب تھے۔ نیز معقولی و منقولی ہونے کے ساتھ طب میں ذہن رسا پایا تھا۔ اور اس میں صاحبِ تصنیف تھے۔

قاری صاحبؒ نے اوائل عمر ہی میں قرآنِ کریم حفظ کر لیا۔ بعدہٗ علوم دینیہ کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔ لکھنو، ٹونک اور دیگر شہروں میں رہ کر آپ نے علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ آپ کو اپنے زمانہ کے مایہ ناز اساتذہ سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا ان میں شیخ القراء مولانا قاری عبدالمالکؒ شیخ القراءات والتجوید مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنو و ٹونک، شیخ الحدیث علامہ حیدر حسن خانؒ مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو و مدرسہ فرقانیہ ٹونک و خلیفہ اجل حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، قاضی حکیم محمد عرفانؒ چیف جسٹس عدالتِ عالیہ شرع شریف و معالج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اولاد کی تربیت

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا۔ (التحریم ۶) اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حکم دیا کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ ـــــ **جہنم** سے بچنے کے لیے اپنے عقاید کی اصلاح، دینی فرائض کو پورا کرنا اور پوری زندگی اُسوۂ نبوی علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کے مطابق ڈھالنا ضروری ہے ـــــ اس کے بعد اپنے اہل خانہ کو ضروریاتِ دین سے آگاہ کرنا اور انہیں نیکی و تقویٰ کی زندگی گزارنے کا حکم لازمی ہے کیونکہ اللہ کے رسول کو پہلا حکم یہی تھا۔ (طٰہٰ ۱۳۲) ـــــ اس کے بعد **اولاد** کے متعلق اُس حکم ربانی کے ساتھ خاتم المعصومین حضرت **محمد** رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے یہ ارشادات ہیں:

ـــــ جب بچہ پیدا ہو تو اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہی جائے۔

ـــــ اس کے بعد کسی نیک اور صالح انسان سے "تحنیک" کرائی جائے یعنی کھجور یا چھوہارا چبا کر بچہ کے تالو پر مل دیا جائے۔

ـــــ اللہ تعالیٰ توفیق دے تو ساتویں دن عقیقہ کیا جائے اور اچھا نام رکھا جائے کہ والدین کی طرف سے یہی پہلا تحفہ ہے اور قیامت کے دن ناموں سے ہی لوگوں کو پکارا جائے گا۔

ـــــ جیسے ہی بچہ بولنے کے قابل ہو تو سب سے پہلے اس سے کلمۂ ایمان لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہلوایا جائے اور پھر جوں جوں بڑا ہوتا جائے اس کی دینی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا جائے سات برس کی عمر میں **نماز** کی تاکید اور دس برس کی عمر میں نماز میں کوتاہی پر سزا دی جائے اور بچیوں کو اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ سمجھ کر انکی خصوصی تربیت اور دیندار رشتے کا انتظام کیا جائے۔

ـــــ انعام و اکرام اور دوسرے معاملات میں بچّوں کے ساتھ برابری کا سلوک کیا جائے۔

اِن ارشاداتِ نبوّت کا تقاضہ کیا ہے اور ہم کیا کر رہے ہیں؟ اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ بچّوں کو چھوڑ کر بچیوں تک کو ہر قسم کی جدید تعلیم سے آراستہ کرنے کی تو ہر کسی کو فکر ہے جس کے بُرے اثرات کالج سے لے کر دفتر تک اور گلی محلہ سے لے کر بازار تک ہر جگہ دیکھے جا رہے ہیں لیکن انہیں اچھا مسلمان بنانے اور جہنم کی آگ سے بچانے کی کسی کو فکر نہیں۔

صبحِ قیامت میں **اللہ** تعالیٰ کے حضور یہی اولاد عرض کرے گی:ـــــ

"اے ہمارے پرور دگار ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں (والدین، اساتذہ) کا کہا مانا، سو اُنہوں نے ہمیں گمراہ کیا، اے ہمارے پروردگار انہیں دُگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر" ـــــ (الاحزاب ۶۷، ۶۸)

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت کا شعور بخشے ـــــ آمین

مُفت ملنے کا پتہ: شیخ شمشیر علی ◎ ۷۹۔ شاہ جمال، لاہور۔ پاکستان

خاص والیٔ ریاست ٹونک اور جامع المعقول والمنقول علامہ منتخب الحق قادری سابق رئیس کلیہ معارف اسلامیہ کراچی یونیورسٹی وشیخ الحدیث وصدر المدرسین شاہی دار العلوم خلیلیہ ٹونک جیسی زاہد ومتقی اور یکتائے روزگار ہستیاں شامل ہیں۔

جب شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خان رح نے مولانا عین القضاۃ کی اجازت سے مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنو کے ہمنام ٹونک میں مدرسہ فرقانیہ قائم کیا تو قاری عبد المالک رح کو لکھنو سے ٹونک لے آئے۔ اس مدرسہ کا افتتاح والیٔ ریاست نواب ابراہیم علی خان کے ہاتھوں ہوا۔ جو خود ایک عالم اور حافظ قرآن تھے۔ قاری عبد المالک رح نے تلاوت فرمائی۔ اس میں آپ نے واذ یبتلی ابراھیم ربہ الخ سبعہ قرأت میں تلاوت کیا۔ اس افتتاح میں علماء و حفاظ، مفتیانِ کرام اور عوام کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ مدرسہ فرقانیہ میں آپ قاری عبد المالک رح کی خدمت میں علمِ قرأت کی تحصیل کے لیے حاضر ہوئے۔ اسی دوران قاری عبد الرحمان مکی رح نے اپنی بیماری کی وجہ سے قاری عبد المالک رح کو لکھنو طلب کیا اور اپنی جانشینی کا حکم دیا۔ چنانچہ ۱۹۳۰ء یا ۱۹۳۱ء کو آپ لکھنو تشریف لے گئے اور قاری حبیب اللہ صاحب رح کو بھی لکھنو آنے کو فرمایا۔ نیز فرمایا کہ وہاں قرأت عشرہ کی تکمیل کے بعد حضرت قاری عبد الرحمن مکی رح کے ہاتھوں سند دلواؤں گا۔ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد قاری حبیب اللہ صاحب رح آپ کا سامان لے کر لکھنو تشریف لے گئے۔ افسوس کہ آپ کے دورانِ تعلیم ہی قاری عبد الرحمن صاحب کا وصال ہو گیا۔ اور یہ آرزو پائے تکمیل کو نہ پہنچی۔ زمانۂ علالت میں آپ کو ان کی تیمار داری اور خدمت کا شرف حاصل ہوا۔ اور رحلت کے بعد ان کی تجہیز و تکفین اور تدفین میں شرکت کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔

قاری عبد المالک صاحب رح کو آپ سے بے انتہا محبت تھی اور ان پر فخر تھا۔ قرأت عشرہ کے جلسہ تقسیمِ اسناد کے موقع پر قاری عبد المالک رح نے بھرے جلسہ میں اپنے سر سے اپنی دستار مبارک اتار کر آپ کے سر پر باندھ دی۔ جب کہ دیگر طلباء کو مدرسہ کی جانب سے دی جانے والی دستارِ فضیلت ہی دی گئی۔ یہی نہیں بلکہ قاری عبد المالک نے مدرسہ کی سند کے علاوہ قرأت سبعہ و عشرہ کی اپنی مخصوص سند بھی عطا فرمائی۔ نیز دورانِ تعلیم آپ کو اپنے استاد گرامی کے ساتھ معین کی حیثیت سے کام کرنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ یہ ایسا اعزاز ہے کہ بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

علومِ قرأت کی تکمیل کے بعد آپ نے خود کو اس کی خدمت کے لیے وقف کر دیا، آپ کو مختلف جگہوں سے بلایا گیا۔ برما سے بھی دعوت آئی مگر حضرت قاری صاحب رح اور علامہ حیدر حسن خان رح کی خواہش پر آپ مدرسہ فرقانیہ ٹونک تشریف لے گئے اور ۱۹۳۲ء تا ۱۹۵۰ء تک مدرسہ فرقانیہ ٹونک میں شیخ القرأت والتجوید اور صدر المدرسین کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ اس طرح آپ کو اپنے استاد کی حیات ہی میں جانشینی کا شرف حاصل ہوا۔ مدرسہ فرقانیہ ٹونک ہندو پاک میں لکھنو کے بعد علوم قرأت کا دوسرا مرکز ہے۔ اب تک اس ادارہ میں قاری صاحب کے تلامذہ علومِ قرأت کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

قاری صاحب رح علوم قرأت میں کمال رکھتے ہوئے مفسر و محدث نحوی ولغوی اور مستند طبیب بھی تھے۔ کتب حدیث شریف اور دورۂ حدیث آپ نے شیخ الحدیث علامہ حیدر حسن خان رح وشیخ الحدیث علامہ منتخب الحق قادری سے پڑھا۔

شاہی دار العلوم خلیلیہ ٹونک سے آپ نے سندِ فراغ بھی حاصل کی۔ علم طب، علم فقہ، علمِ میراث وفرائض اور بعض دیگر کتب درسیہ آپ نے حکیم قاضی محمد عرفان خان صاحب رح سے پڑھیں۔ آپ مولانا حکیم برکات احمد رح کے شاگرد تھے۔ ابتدائی عربی آپ نے مولوی مفتی سراج الدین رح مدرس مدرسہ ناصریہ ٹونک سے پڑھیں جو عدالت شرح شریف میں مفتی اور علامہ حیدر حسن خان رح کے ممتاز شاگرد تھے۔

آپ نے خدمت قرآن عظیم کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔ درس نظامی سے فارغ ہونے کے بعد آپ کو عدالت عالیہ شرع شریف ٹونک میں مفتی مقرر کیا گیا۔ اور اس منصب کا حلف بھی آپ سے لیا گیا۔ لیکن قاضی محمد عرفان خان رح اور والیٔ ریاست نواب سعادت علی خان مرحوم کے زور دینے کے باوجود اس منصب کو قبول نہ کیا اور خدمتِ قرآنی کو ترجیح دی۔ علم قرأت سے آپ کو والہانہ لگاؤ تھا اور اس پر آپ کی نظر نہایت عمیق، محققانہ اور عالمانہ تھی، شاید چند ہی حضرات کا مطالعہ اتنا وسیع اور علم مستحضر ہو گا جیسا آپ کو تھا۔ آپ علم قرآت کی بولتی ہوئی کتاب اور اس پر اتھارٹی تھے۔ آپ قرأت عشرہ، الشاطبیہ، الدرّہ اور الرّائیہ کے حافظ تھے۔ اس علم پر آپ کو اتنا عبور تھا کہ تصنیف وتالیف کے دوران بہت کم آپ کو کتابوں کی طرف مراجعت کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ دیکھنے والے گواہی دیں گے کہ تدریس کے دوران بھی آپ کا قلم چلتا رہتا تھا آپ فنا فی القرآن اور فنا فی المطالعہ تھے۔ کام کی زیادتی، کثرت مطالعہ اور راحت کے اسباب کے فقدان نے آپ کے قوای کو مضمحل اور آپ کو قبل از وقت ضعیف کر دیا تھا۔

آپ کا قرآن کریم نہایت پختہ تھا آخیر عمر تک تراویح میں قرآن کریم سنایا۔ پاکستان آنے کے بعد ۱۹۶۰ء تک آپ رمضان المبارک بنگلورو مدراس اور ویلور میں اپنے احباب کے ہمراہ گزارتے تھے ویزا کی مشکلات کے بعد انڈیا جانا موقوف ہو گیا۔ تو کراچی میں رمضان گزارنے لگے۔ یہاں آپ کی نگرانی میں شبینہ بھی ہوتا۔ جس میں قاری محفوظ الحق جیسے عزیز ترین شاگرد شرکت کرتے۔ رمضان کی آخری شب میں روایت حفص رح میں قرآن کریم ختم کرتے اس کے بعد آخری پارہ کو قرائے سبعہ رح میں سے کسی ایک امام کی قرأت یا راوی کی روایت میں دوبارہ پڑھتے اور پھر دعا کے بعد یہ مبارک مجلس آئندہ رمضان تک کے لیے برخاست ہو جاتی۔ اس میں شیخ القراء قاری عبد المالک رح شیخ المقری قاری عطا سلیمان رزق مصری اور شیخ المقری قاری عبد الحق نے بھی شرکت فرمائی ہے۔

آپ نے صلبی اولاد کے علاوہ برصغیر پاک وہند اور افغانستان میں تلامذہ کی ایک کثیر تعداد، تجوید وقرأت کا ایک ادارہ اور علوم قرأت وتجوید پر بیش بہا تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں جو نہایت جامع عام فہم اور سلیس وشستہ اردو میں ہیں اور اپنی نوعیت میں منفرد و بے مثال ہیں۔ ان میں آپ نے اتنا مواد جمع کیا ہے کہ تشنگانِ علم کو محقق ومصنف اور قاری بنانے کے لیے کافی ہے۔ یہ تصنیفات شیخ الحدیث علامہ منتخب الحق قادری کے الفاظ میں "سابقہ تصنیفات کا عطر ہیں" ان میں "موضح القرأات فی السبع المتواترات" آپ کا ایک تالیفی وتصنیفی اور تحقیقی کارنامہ ہے کہ اس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ یہ قرآن کے تیس پاروں پر مشتمل اس کی مکمل قرأت سبعہ ہے اس میں آپ نے ساتوں امام قاریوں کے لیے ہر ہر لفظ کے اختلاف قرأت کو بیان کیا ہے۔ ان کی دوسری مایہ ناز تالیف "معارف التجوید مع رسم القرآن المجید" ہے اس میں تجوید کے نازک ترین مسائل تعوذ وبسملہ سے متعلق جائز وناجائز وجوہ، رسم خط اور ادغام جیسے مشکل اور پیچیدہ مسئلہ کو آپ نے کمال شرح وبسط کے ساتھ آسان و دلنشیں پیرائے میں بیان کیا ہے گویا دریا کوزہ میں بند کر دیا ہے۔ اسی طرح مبتدیوں کے لیے "معلم القرآن المعروف یہ جیبی قاعدہ" ہے جو اصول تجوید کے مطابق ہے اس میں ہجاء کے طریقے بتائے ہیں۔ یہ ایک رہنمائے تجوید اور مبتدی کی تصحیح قرآن کے لیے کافی ہے سوانح قرائے سبعہ رح بھی آپ کا ایک مختصر رسالہ ہے۔ جس کا موضوع نام سے ظاہر ہے۔ ان کی آخری گراں قدر تصنیف "اجراء السبع بطریق جمع الجمع علیٰ منہاج الشاطبی" ہے جو فن اجرائے قرأت کا شاہکار ہے یہ بھی غیر مطبوعہ ہے۔ یہ تمام تصنیفات ایک فرد واحد کی حیثیت سے قاری صاحب رح کی علمی وسعت، عظمت، لگن، شوق، کثرت مطالعہ اور محنت شاقہ کا شاہکار اور آپ کے لیے سرمایۂ افتخار اور ذریعہ نجات ہیں۔ آپ اپنے نامور اجداد اور اساتذہ کے نہ صرف صحیح جانشین ثابت ہوئے بلکہ تحریری خدمات ان کی امیدوں سے بڑھ کر انجام دیں۔ آپ نے فن تجوید وقرأت کو ایک جدید طرزِ تحریر اور اور اسلوب بیان

یا جس پر قرار و علمار کے ہر طبقۂ فکر نے پ کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ اور آپ کی خدمات کو بے انتہا سراہا۔ آپ نصف صدی سے زائد تک برصغیر ہند و پاک میں مسند نشین درس رہے جس میں کراچی اور ٹونک خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ زندگی کے آخری لمحوں تک اس معمول میں فرق نہ آیا آخر تک آپ اپنے قائم کردہ مدرسہ تجوید القرآن میں پڑھاتے رہے۔ آپ پڑھانے کے لیے ہر وقت تیار رہتے۔ اس میں نظام الاوقات کی قطعی کوئی پابندی نہ تھی۔ جب بھی آپ کو کوئی دیکھتا پڑھا رہے ہوتے یا تصنیف و تالیف میں مشغول۔ قاری اسعد حسن مرحوم جو آپ کے بے تکلیف دوست اور مدرسہ فرقانیہ کے دیرینہ رفیقِ کار تھے۔ اندرون سندھ سے اکثر ملاقات کے لیے تشریف لاتے رہتے تھے۔ جب آپ کو اوقات استراحت میں بھی مصروفِ کار دیکھتے تو ناراضگی کا اظہار فرماتے۔ اور صحت کا خیال رکھنے کی تاکید فرماتے۔ ایک دفعہ بے حد ملولِ خاطر اور مضطر ہونے کے باوجود قاری محفوظ الحق استاذ مدرسہ اشرفیہ جامع مسجد جیکب لائن کو روایت شعبہؒ لکھوانے میں مصروف رہے اور کسی بات سے بھی ان کو قاری صاحبؒ کی بے چینی طبیعت کا اندازہ نہ ہو سکا۔ طلبار پر آپ بے حد مہربان اور شفیق تھے۔ طلبار اور شائقین علم تجوید و قرأت اطراف و اکناف سے مستفید ہونے کے لیے آپ کے پاس آتے۔ آپ اپنی ذات میں خود ایک مدرسہ تھے۔ پسچ ہے مدرسہ کے لیے کسی عمارت یا چار دیواری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ قاری عبدالمالکؒ پر آپ کو کتنا اعتماد و بھروسہ تھا، اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے جس کے راوی خود صاحبِ واقعہ مولانا سیّد طلحہ حسنی مرحوم ہیں۔ جو اورنٹیل کالج لاہور کے پرنسپل اور کراچی میں مولانا طفیل احمد مرحوم کے تبلیغی کالج مجاہد آباد سے وابستہ تھے۔ آپ بتلاتے ہیں کہ میں لکھنو میں قاری عبدالمالکؒ سے تجوید و قرأت پڑھتا تھا۔ جب لکھنو سے ٹونک جانے لگا تو ان سے پوچھا کہ ٹونک میں کس سے پڑھوں؟ آپ نے فرمایا قاری حبیب اللہ سے وہ تعلیم میں کسی کی رو رعایت نہیں کرتے چنانچہ ٹونک آکر آپ نے اسی پر عمل کیا۔ اور ایک مدت تک آپ مدرسہ فرقانیہ میں قاری صاحب سے تجوید و قرآت پڑھتے رہے۔

ان تمام مصروفیات اور فکرِ معاش کے باوجود قاری صاحبؒ مدارس قرآنیہ کے قیام کے لیے ہمہ تن کوشاں رہتے جمعیت تعلیم القرآن کراچی کے ابتدائے قیام سے ہی آپ کا اس سے تعلق تھا یہ جمعیت حاجی محمد رفیع صاحب کی کوششوں سے وجود میں آئی۔ حاجی صاحبؒ ایک عاشقِ قرآن اور وہی اس کے روحِ رواں ہیں۔ اس کے اغراض و مقاصد میں قرآنی مدارس کا قیام، قرآن کی تعلیم کا فروغ اور اس کی اشاعت شامل ہے آج یہ جمعیت کراچی کے علاوہ حیدر آباد سکھر، لاہور، راولپنڈی اور پشاور میں تعلیم قرآن کی نمایاں اور بیش بہا خدمات انجام دے رہی ہے۔ قاری صاحب ان مدارس کے ممتحن اعلیٰ اور نگرانِ اعلیٰ تھے۔ اساتذہ کا انتخاب بھی آپ کی ذمہ داری تھی آپ نے کمال خلوص و دیانت سے یہ فریضہ انجام دیا۔ سفارش پر کبھی کسی کا تقرر نہ کیا اگر کسی میں کوئی خامی نظر آئی تو اس کو دور کروا کے مدرس مقرر کرایا۔ اسی دوران آپ نے ایک ایسے قرآنی قاعدہ کی ضرورت محسوس کی جو تجوید کے بنیادی اصولوں کے مطابق ہو۔ اور اس میں ہجار کے اصول اور ابتدائی تعلیم قرآن کے بنیادی اور اہم نکات بھی بتائے جائیں چنانچہ اپنے وسیع علمی تجربہ کی روشنی میں آپ نے معلم القرآن المعروف بہ جیبی قاعدہ ان اصولوں کے مطابق مرتب کر کے جمعیت تعلیم القرآن کو دیا جو بحمداللہ نہایت کامیابی سے پڑھایا جا رہا ہے۔

بہت کم لوگوں کو یہ بات معلوم ہے کہ قاری صاحب نے قرآن مجید میں یائے مجہول کا لکھنا ترک کروایا۔ اسی طرح یہ بھی بتایا کہ کھڑا زبر یا تو حرف کے بالکل اوپر ہو یا بائیں جانب، اور اس کو حرف کے دائیں جانب لکھنا صحیح نہیں۔

آپ اکثر مدارس کے شعبہ ہائے تجوید و قرأت کے ممتحن تھے اور ان کے سالانہ تقریری و تحریری امتحانات لیا کرتے تھے۔ ان میں جامعہ اسلامیہ علامہ

...ی ٹاؤن، جامعہ فاروقیہ ڈرگ کالونی ...ہ اشرفیہ جامع مسجد جیکب لائن، دارالعلوم ...اسلام سلیمانیہ۔ دارالعلوم انوار العلوم، ...العلوم بدر العلوم اور مدرسہ تعلیم القرآن ...ں طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

آپ پاکستان بحریہ کے حسنِ ...ت کے سالانہ جلسوں اور ریڈیو پاکستان ...ٹیلیویژن کے قومی و بین الاقوامی مقابلہ ...ئے حسنِ قرأت میں جج کی حیثیت سے ...رار مدعو کئے جاتے۔

آپ کو اپنے زمانہ کے مایہ ناز ...ر و علمار نے شیخ القرار، استاذ القرار ...ر استاذ الکبیر کے لقب سے یاد کیا ہے ...ر آپ کی علمیت، امانت، دیانت ...لق صحیح، ضبط اور ثابت فی الروایت ہونے ...ونے کو تسلیم کیا ہے۔ ان میں شیخ القرار ...ری فتح محمد پانی پتی، شیخ القرار قاری ...مد عطار سلیمان رزق مصری استاذ جامعہ ...ز ہر مصر و بنوری ٹاؤن، شیخ القرار قاری ...لی شرف الدین یمنی ریڈیو پاکستان، شیخ القرآ ...اری عبدالسلام مصری، شیخ الحدیث علامہ سید ...تخب الحق قادری۔ شیخ الحدیث علامہ سیّد محمد یوسف بنوریؒ۔ خطیبِ پاکستان ...ولانا احتشام الحق تھانویؒ۔ مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ جیسی برگزیدہ ہستیاں شامل ہیں۔ مفتی ولی حسن ٹونکی اور مولانا آغا عبدالعلیم ندوی آپ کے خصوصی احباب میں سے تھے۔ آپ کو صاحبزادہ عبدالحلیم صاحبؒ اور ان کے سجادہ نشین خلف صاحبزادہ احمد صاحب اور دیگر برادران سے بڑی محبت اور عقیدت تھی۔

قاری صاحب نہایت ذکی الحس، قوی الحفظ اور علمی ذہن کے آدمی تھے۔ آپ ایک متبحر عالم، قرأت و تجوید کے امام، ضابطہ استاذ، ... و محقق اور قاری محمد عطا سلیمان رزق مصری کے الفاظ میں "اس علمی امانت کے تنہا حامل" تھے۔ آپ نہایت عابد و زاہد متقی اور ہر قسم کی سیاسی و مذہبی گروہ بندیوں سے بالاتر تھے۔ سیاست سے تو بالکل ناآشنا تھے۔ آپ کی طبیعت بے آزار، دل بغض و کینہ، حسد اور عداوت سے پاک تھا۔ طبیعت میں نہایت سادگی اور معصومیت تھی۔ زندگی نہایت سادہ اور بے تکلفانہ تھی۔ کھانا، پینا، لباس، طرزِ معاشرت اور بات چیت سب کچھ نہایت سادہ تھا۔ آپ کی زندگی سلفِ صالحین کی زندگی کا نمونہ تھی۔ باکمال ہونے کے باوجود آپ نے کبھی اپنے کمال کا اظہار نہ کیا۔ اور نہ ہی دوسروں پر اپنی برتری اور فوقیت قائم کی۔ آپ ہمیشہ قناعت پسند، مستغنی اور آزاد رہے۔ استغنا کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کچھ عرصہ قبل حکومت نے ملائیشیا میں منعقد ہونے والے مقابلہ حسنِ قرأت میں پاکستان کی نمائندگی کے لیے قاری کے انتخاب کے واسطے بہ حیثیت جج اسلام آباد مدعو کیا، لیکن اسلام آباد سے ٹیلیگرام اور ٹیلیفون پر بار بار تقاضوں کے باوجود آپ نے وہاں جانا پسند نہ کیا۔ آپ کبھی کسی پر بوجھ نہ بنے اور اسی شان سے دنیا سے رخصت ہوئے۔ آپ نے دنیوی مفاد کی خاطر اصولوں کو کبھی قربان نہ کیا۔ قرآن کی عظمت کو آپ نے ہمیشہ قائم رکھا۔ آپ نے تیس سال تک کراچی میں تجوید و قرأت کی خدمت کی۔

عظیم الشان خدمات بے لوث طریقہ پر انجام دیں۔ آپ نے نارتھ ناظم آباد کراچی میں علمِ قرأت کا ایک مرکز قائم کیا۔ آپ نے اولاد صالح یادگار چھوڑی جو سب حافظ و قاری اور دینی و دنیوی تعلیم سے آراستہ ہے۔ سب سے چھوٹے صاحبزادے قاری حافظ رضوان اللہ زیرِ تعلیم ہیں، یہ ابتدا ہی سے نامور قاری ہیں اور متعدد بار مقابلہ ہائے حسنِ قرأت میں ٹرافی اور شیلڈز حاصل کر چکے ہیں۔ مولانا احتشام الحق تھانویؒ کو ان کی قرأت بہت پسند تھی اور پیار سے ان کو چھوٹے قاری صاحب کہہ کر بلاتے تھے۔ دوسرے صاحبزادے قاری حافظ عبید اللہ امریکہ میں ہیں اور ایک مشہور سائنسی ادارہ سے وابستہ ہیں۔

آخیر زندگی میں مختلف حوادث نے جو اہلِ کمال کا حصہ ہوتے ہیں۔ آپ کی صحت پر جو پہلے ہی کمزور تھی۔ بُرا اثر ڈالا۔ ۲۱ اپریل ۱۹۸۰ء کو نماز فجر پڑھنے کے بعد آپ وظائف میں مشغول ہو گئے اسی دوران جب کہ آپ اسمائے اصحاب بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پڑھ رہے تھے کہ قلب میں چبھن محسوس کی جو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہی چلی گئی۔ آخر کار

باقی صفحہ نمبر ۱۶ پر ملاحظہ فرمائیں

۲۲ اپریل ۱۹۸۰ء مطابق ۶ جمادی الثانی ۱۴۰۰ھ منگل کی صبح کو پونے چار بجے یہ خادم القرآن والتجوید" قرآن کے نازل کرنے والے کے جوارِ رحمت و مغفرت میں پہنچ گیا۔ اور اسی دن بعد نماز عصر علم قرأت کا یہ آفتاب نظروں سے اوجھل ہو کر ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ نماز جنازہ شیخ الحدیث منتخب الحق نے پڑھائی اس سانحے سے آپ کی اولاد ہی یتیم نہیں ہوئی بلکہ علامہ سید منتخب الحق، مولانا سبحان محمود مولانا شاہ عبدالمجید ندیم اور دیگر علماء و قراء کے بقول کراچی علم تجوید و قرأت سے خالی اور یتیم ہو گئی۔

○ وفاتِ حضرۃ قاری وفات یک کس نیست
زعلم قریہ معمور بود ویران گشت

ترجمہ: " قاری حبیب اللہ صاحب کی وفات کسی فردِ واحد کی وفات نہیں آپ علم سے بھرا ہوا شہر تھے۔ جو آپ کی وفات سے ویران ہو گیا"

اللہ تعالیٰ نے آپ کو آخری جگہ بھی اپنے قائم کردہ ادارہ تجوید القرآن میں عطاء فرمائی جہاں سے ہر وقت تلاوت قرآن کی آوازیں آتی رہتی ہیں۔ آپ کی پوری زندگی خدمت قرآنی میں صرف ہوئی۔ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی آخری کتاب کے اس خادم کو جس کا لقب خادم القرآن والتجوید رہا اپنے دین کے مخصوص خدام میں شامل فرما کر رحمت و مغفرت کا معاملہ فرمائے گا۔

اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ رَّحِیْمٌ (القرآن)

"واقعی وہ (اللہ) بڑا بخشنے والا، بڑی رحمت والا ہے"۔

حفظِ لسان

یعنی زبان کو غیر ضروری یا ازاندازِ ضرورت باتوں سے روکنا

★★★★★★★★★★★★★★★★★★★

زبان کا جسم بہت چھوٹا ہے لیکن اِس کا جُرم بہت بڑا ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (پارہ ۲۷ سورہ الرحمٰن)

ترجمہ: رحمٰن ہی نے قرآن سکھایا اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور پیدا کر کے اس کو دوسرے حیوانات کی طرح گونگا نہیں چھوڑا بلکہ اپنی مہربانی سے اسے بولنا سکھایا۔ طاقت گویائی کا عطیہ اللہ تعالیٰ کا ایک احسانِ عظیم ہے اس کے ذریعے انسان اپنا مافی الضمیر دوسروں پر ظاہر کر سکتا ہے جس بات کی سمجھ نہ آسکے دوسروں سے دریافت کر سکتا ہے زبان انسان کے اندرونی اسرار ظاہر کرنے کا آلہ ہے تو کیا جس خدا نے ان اسرار کے ظاہر کرنے کا آلہ پیدا کیا ہے وہ ان کے اندرونی اسرار کو نہیں جانتا۔ یقیناً جانتا ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتے مگر وہ

[...]ہے اور تمہاری ہر کھلی چھپی بات [...] ہو یا جلوت میں سب کو جانتا [...] دلوں میں اور سینوں میں جو خیالات [...] ہیں ان کی بھی خبر رکھتا ہے۔ [...] تم سے غائب ہے لیکن تم اس [...] نہیں ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے [...] باطن کو اچھی طرح جانتا ہے کوئی [...] اس سے مخفی نہیں ہے اس لیے [...] کی عطا کردہ گویائی کو سعادت [...] نے کا ذریعہ بنانا چاہیئے۔ بُری [...] سے بچنا چاہیئے اور صرف کلمہ خیر [...] سے نکالنا چاہیئے۔ امام شافعی رحمہ اللہ [...] ہے کہ غیر ضروری کلام سے بچو تکلم [...] تمہاری گفتگو تمہاری مالک بن جاتی [...] پہلے وہ تمہاری مملوکہ تھی۔ انسان [...] وں سے نہیں پھسلتا جتنا زبان سے [...] ہے۔ کسی بزرگ کا قول ہے کہ [...] سانپ ہے اور منہ اس کا گھر ہے [...] حفاظت سے رکھیں کہیں تمہیں ڈس [...] ئے۔ زبان حق تعالیٰ کی عجائب صنعت [...] سے ہے جو بظاہر تو گوشت کا ایک [...] ا ہے۔ لیکن درحقیقت سارے [...] اس کا تصرف اور قبضہ ہے زبان [...] عقل ہے اور کوئی چیز احاطۂ عقل سے [...] نہیں ہے۔ جو کچھ عقل و وہم اور خیال میں [...] ہے زبان اس کی ترجمان ہے سب [...] ان کر دیتی ہے جسم کے باقی [...] ر یہ کام نہیں کر سکتے۔ آنکھ [...] ہے، کان سنتے ہیں اور سماعت [...] ت صرف آواز اور اصوات کے ساتھ [...] لیکن زبان کی حکومت جسم کی ساری

مملکت میں جاری ہے۔ ساری صوتیں دل سے بے کر بیان کرتی ہے مثلاً جب دل غمگین اور آزردہ ہوتا ہے تو تضرع و زاری کرنے لگتی ہے اور نوحہ و درد کے الفاظ نکالنے لگتی ہے اور دل کی آگ کے بخارات دماغ میں چڑھ کر آنکھوں سے باہر نکلنے لگتے ہیں۔ بشاشت اور خوشی کی حالت میں زبان سے راحت اور خوشی کے الفاظ نکلنے لگتے ہیں۔ غرض دل کی حالت کے مطابق زبان پر کلمات جاری ہوتے ہیں۔ زبان جب کلمہ حق کہتی ہے تو دل روشن ہو جاتا ہے اور جب بری بات کہتی ہے تو دل سیاہ ہو جاتا ہے اس لیے زبان کی شر اور آفتوں سے بچنا ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ جب تک طاقت گویائی کام کرتی ہے زبان کو اللہ کے ذکر سے تر رکھو اور بے ہودہ باتوں سے بچنے کی کوشش کرو۔ بغیر ضرورت کے بات نہ کرو۔ اگر ضرورت کے وقت کرو تو چلا کر نہ کرو اگر اونچی آواز سے بولنا کوئی کمال ہوتا تو گدھے کی آواز پر خیال کرو، وہ بہت زور سے آواز نکالتا ہے۔ مگر کس قدر کریہہ اور کرخت ہوتی ہے بہت زور سے بولنے میں بسا اوقات انسان کی آواز بھی ایسی ہی بے ڈھنگی اور بے سُری ہو جاتی ہے۔

اِنسان کی زبان سے جو کچھ نکلتا ہے اُس کے نام لکھا جاتا ہے!

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ۔

(پارہ ۲۶ سورۃ ق آیت نمبر ۱۸)

ترجمہ: "وہ منہ سے کوئی بات نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ایک ہوشیار محافظ ہوتا ہے"

انسان کی زبان سے جو کچھ نکلتا ہے اس کے نام لکھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ فرشتے ہر وقت اس تاک میں لگے رہتے ہیں کہ جو لفظ اس کے منہ سے نکلے اس کو لکھ لیں۔ اس لیے سوچ سمجھ کر بات کرنی چاہیئے۔ زبان سے ایسا کوئی لفظ نہ نکلے جس کے لیے بعد میں پچھتانا پڑے۔ زبان سے بڑھ کر کوئی بدتر چیز انسان کو نہیں دی گئی۔ اس کا قید میں رکھنا ضروری ہے۔ زبان کو اگر پوری طرح قابو میں رکھا جائے تو یہی زبان انسان کو تخت پر بٹھا دیتی ہے اور اگر قابو سے باہر ہو جائے تو یہی زبان ذلت اور رسوائی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اس لیے گفتگو میں احتیاط لازمی اور ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انسان کے اسلام کے درست اور صحیح ہونے کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ بے فائدہ کاموں اور باتوں کو چھوڑ دے۔ احیاء العلوم میں ہے کہ ہر لایعنی کلام کا حساب ہوگا۔ اور جس چیز کا حساب و مواخذہ ہو اس سے خلاصی

باقی صفحہ نمبر ۱۸ پر ملاحظہ فرمائیں

بقیہ: حفظِ لسان صفحہ نمبر سے آگے

★★★★★★★★★★★★★★

یقینی نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب صبح ہوتی ہے تو تمام اعضاء بدن زبان سے خوشامد کرکے کہتے ہیں کہ تو ٹھیک رہنا اگر تو ٹھیک رہی تو ہم بھی درست رہیں گے اگر تو بگڑی تو ہم سب بگڑ جائیں گے۔

لہٰذا لازم ہے کہ ہر ممکن طریقہ سے زبان کی حفاظت کریں۔ بغیر سوچے کبھی بات نہ کریں اور جہاں تک ہو سکے زبان کو اللہ کے ذکر اور تلاوت کلام اللہ میں مشغول رکھیں

مزن بے تامل بگفتار دم
نکو گوئی گر دیر گوئی چہ غم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے

تحریر: سید محمد یوسف کاغانی

(حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات امام حجتِ آخر زمان محمد رسول اللہ خاتم المعصومین صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے) حضرت ابوالعاصؓ اُموی اور سیدہ زینبؓ کے قِرانُ السعدین

سے دو جنتی بچوں کا ظہور ہوا۔ ایک لڑکے حضرت علیؓ زینبی کا اور ایک لڑکی حضرت اُمامہؓ کا۔ (سیدنا علیؓ زینبی) یہ امام حجتِ آخر زمان سیدنا حضرت محمد رسول اللہ خاتم المعصومین صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے اور محبوبِ حقیقی نواسے ہیں۔ عربی دستور کے مطابق رضا
(دودھ پینے) کے دو سال انہوں
قبیلہ بنی غاضرہ میں گزارے۔ اس
لبعد بچپن سے جوانی تک اپنے پیار
نانا رحمۃ للعالمینؐ کی آغوش میں پلے بڑ
اور تربیت پائی۔ کیونکہ آنحضرتؐ
اپنی پیاری بیٹی حضرت
زینبؓ سے یہ بچہ مانگ لیا تھا (ا
ج ۲ صـ۵۰۳) حضور نبی کریمؐ کو اپنے
سب سے بڑے نواسے حضرت
زینبی سے بہت محبت تھی اور
اہم موقعے پر انہیں اپنے ساتھ ر
تھے۔" فتح مکہ کے عظیم ترین موقعہ
بھی یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
ساتھ ان کی اونٹنی پر سوار موجود تھے
(اصابہ ج ۲ صـ۵۰۳) رحمۃ للعالمینؐ جل
صـ۹۸) اور اپنے پیارے نانا محمدؐ رسو
صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی
مطابق ان کے کاندھے پر چڑھ کر خا
کو بتوں کی آلائش سے پاک صاف
کیا۔" (الصداقۃ العظمیٰ صـ۳۲) اس وق
ان کی عمر چودہ، پندرہ سال کی تھی (اصابہ جل
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ا
محبوب اور سب سے بڑے نوا
سیدنا حضرت علیؓ بن ابوالعاصؓ
تاریخ عالم کا رخ پلٹ دینے والی
اور رومن ایمپائر کو تباہ کر دینے وا
اس عظیم جنگ میں جو یرموک کے نا
سے مشہور ہے، جام شہادت نو
کیا اور اللہ کی راہ میں کلمہ اسلام بلند
کی خاطر جہاد کرتے ہوئے دونوں عا

ل کامرانیوں کا تاج سر پر رکھے ۱۵ھ میں اپنے پیارے نانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پہنچ گئے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

تاریخ ابن عساکر مطبوعہ دمشق جلد ۲ صـ۵۰۳

بانگِ درا میں علامہ اقبالؒ نے "جنگ یرموک کا ایک واقعہ" کے تحت انہی نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عشقِ نبیؐ اور شوقِ شہادت کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے

صف بستہ تھے عرب کے جوانانِؓ تیغ بند
تھی منتظر حنا کی عروسِ زمینِ شام
اک نوجوان صورتِ سیماب مضطرب
آکر ہوا امیرِ عساکر سے ہم کلام
اے ابوعبیدہؓ رخصتِ پیکار دے مجھے
لبریز ہوگیا میرے صبر وسکوں کا جام
بیتاب ہو رہا ہوں فراقِ رسولؐ میں
اک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام
جاتا ہوں میں حضورِ رسالتؐ پناہ میں
لے جاؤں گا خوشی سے اگر ہو کوئی پیام
یہ ذوق و شوق دیکھ کے پُرنم ہوئی وہ آنکھ
جس کی نگاہ تھی صفتِ تیغِ بے نیام
بولا امیرِ فوج کہ وہ نوجوان ہے تو
پیروں پہ تیرے عشق کا واجب ہے احترام
پوری کرے خدائے محمدؐ تیری مُراد
کتنا بلند تیری محبت کا ہے مقام
پہنچے جو بارگاہِ رسولِ امینؐ میں تو
کرنا یہ عرض میری طرف سے پس از سلام
ہم پر کرم کیا ہے خدائے غیور نے
پورے ہوئے جو وعدے کئے تھے حضورؐ نے

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاںؓ جو سب کی سب حضورؐ کی پہلی بیوی حضرۃ سیدہ خدیجہؓ سے ہوئیں) سیدہ زینبؓ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی اور سب سے افضل پیاری صاحبزادی تھیں۔ آنحضرتؐ نے انہی کے متعلق فرمایا تھا "ھی افضل بناتی زینبؓ" میری بیٹیوں میں سب سے افضل ہے (مستدرک حاکم۔ مشکل الآثار طحاوی۔ سیرت النبیؐ مؤلفہ زرقانی۔ رحمۃ للعالمین جلد ۲ صحابیات از نیاز فتح پوری۔)

ان کا ایک امتیاز یہ ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ ایمان لائے اور عورتوں میں حضرت خدیجہؓ ایمان لائیں۔ اسی طرح لڑکیوں میں سب سے پہلے سیدہ زینبؓ ایمان لائیں و ذٰلِكَ فضل اللہ یوتیہ من یشاءُ سیدہ زینبؓ کے شوہر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح ان کے خالہ زاد بھائی حضرۃ ابوالعاص اُموی سے کیا جو سیدہ خدیجہؓ کی حقیقی بہن ہالہ بنت خویلد کے صاحبزادے تھے۔ سیر الصحابہؓ کے مؤلف لکھتے ہیں:

ابوالعاصؓ حضرت خدیجہؓ کے بھانجے تھے۔ وہ انہیں بہت محبوب رکھتی تھیں اور اپنا لڑکا تصور کرتی تھیں (سیر الصحابہؓ مطبوعہ دار المصنفین جلد ۷ صـ۳۱۱)

ان کا نہایت وسیع تجارتی کاروبار تھا اور ان کی دیانت و امانت بھی بہت مشہور تھی۔ (سیر الصحابہؓ) اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرح یہ بھی **الامین** کے لقب سے مشہور تھے۔ (اصابہ۔ اسد الغابہ) بہادری کا یہ عالم تھا کہ اہلِ عرب سے جروالبطحا (شیرِ حجاز) کا خطاب حاصل کیا۔ (اصابہ جلد ۴ صـ۱۲۱)

جب قریشِ مکہ نے آنحضرتؐ کو شعب بنو ہاشم میں نظر بند کر دیا، تو انتہائی دلیری کا ثبوت دیتے ہوئے۔ کفار کی مخالفت کے باوجود آنحضرتؐ کے کھانے پینے اور خرچ کا انتظام کرتے رہے۔ جس پر سرکارِ دو عالمؐ نے خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا۔ ابوالعاصؓ نے ہماری دامادی کا حق ادا کر دیا۔ (دیکھئے مرزا محمد تقی کی کتاب ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران جلد ۲ صـ۵۱۸)

سیدنا حضرۃ امام عبداللہ الاصغرؓ بن سیدنا حضرۃ عثمان غنیؓ یہ حضور سرورِ کائناتؐ کے دوسرے نواسے ہیں۔ سیدہ حضرۃ رُقیہؓ سے سیدنا حضرۃ عثمان غنیؓ کا ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ حضرۃ عثمان کی کنیت ابوعبداللہ انہی صاحبزادے کے نام پر تھی۔ آپ کو صحابیت کا شرف حاصل ہے آپ کو کئی جنگوں میں حصہ لینے کا بھی شرف حاصل ہوا۔ آپؓ کی اولاد یعنی سادات سید آلِ رقیہؓ کا سلسلہ جاری ہے اور ہندو پاک کے اکثر علاقوں میں آلِ رقیہؓ کے سادات سید آباد ہیں۔ چنانچہ میں خود اولادِ آلِ رقیہؓ کی چالیسویں پشت سے ہوں میرا شجرہ نسب الحمدللہ محفوظ ہے۔

متحدہ ہندوستان کا پہلا قومی اخبار

جس کا ایڈیٹر پھانسی پر لٹکایا گیا، قارئین جس کے موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے

حافظ محمد اسحاق صاحب

آج تو اخبار نکالنا ایک عام بات ہے۔ لیکن اخبارات کی تاریخ میں ایک وقت ایسا بھی تھا جب برصغیر میں اخبار نکالنا اور اس کے ذریعہ عوام کی امنگوں اور جذبات کی ترجمانی کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ ۱۸۵۷ء میں دلی سے جاری ہونے والے اس پہلے قومی اخبار کا حال پڑھیئے تو یہ تلخ حقیقت آپ پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی۔ اس کے بانی نے یورپ کا سفر کرنے کے بعد اس کی اشاعت کا آغاز کیا تھا۔

متحدہ ہندوستان کا سب سے پہلا قومی اخبار جو صحیح معنوں میں قومی اخبار کہلانے کا مستحق تھا "پیام آزادی" تھا۔ یہ فروری ۱۸۵۷ء میں دلی سے شائع ہونا شروع ہوا تھا۔ یہ اردو اور دیو ناگری دونوں رسم الخط میں شائع ہوتا تھا۔ لیکن اس کی اشاعت کا کوئی باقاعدہ ضابطہ نہ تھا۔ کبھی صبح شائع ہوتا تو کبھی شام کو۔ کبھی روز چھپتا تھا۔ تو کبھی ایک دن چھوڑ کر۔ اس اخبار کی اشاعت کا منصوبہ پیشوا نانا صاحب کے وزیر اور مشیر منشی عظیم اللہ نے بنایا تھا۔ ستمبر ۱۸۵۷ء میں جھانسی سے پیام آزادی کا ایک مرہٹی ایڈیشن بھی شائع ہونے لگا۔ جس کا صرف ایک ہی شمارہ انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے۔

۱۸۵۷ء کے اوائل میں منشی عظیم اللہ نے پیشوا نانا صاحب کے وکیل کی حیثیت سے انگلستان کا سفر کیا۔ لیکن ان کے سفر کا اصل مقصد یورپ کے عوام کو ہندوستان کی تحریک آزادی سے روشناس کرانا تھا اور اس کے لیے ان کی ہمدردی وحمایت حاصل کرنا تھا۔ روس اور اٹلی جیسے ملکوں سے انقلاب کے لیے ہتھیاروں اور دیگر فوجی سامان کا حصول بھی اس موقع پر اُن کے پیشِ نظر تھا۔ اپنے اس سفر میں منشی عظیم اللہ نے یورپ کی مختلف زبانوں میں شائع ہونے والے اخبارات کے ذریعہ یورپ کے عوام کے سامنے ہندوستان کی آزادی کے مسٔلہ کو نہایت مدلل طور پر پیش کیا۔ لندن ٹائمز کے خصوصی نمائندہ سر ولیم ہاورڈ رسل سے منشی صاحب کی ملاقات کریمیا کے جنگی میدان میں ہوئی تھی۔ نمائندہ موصوف نے اپنی کتاب "دی وار آف کریمیا" میں منشی عظیم اللہ کی باوقار شخصیت کا ذکر بڑے دلچسپ انداز میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "ہندوستان میں کسی منظم سیاسی اخبار کے نہ ہونے سے عظیم اللہ بہت فکر مند ہے یورپ اور ایشیا کی کتنی ہی زبانوں سے اچھی طرح واقف ہندوستان کی آزادی کے اس متوالے میں ایک صحافی کی وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو اسے یورپ کی کسی بھی ترقی یافتہ زبان کا بہترین اور مقبول ترین صحافی بنانے کے لیے کافی ہیں۔"

تاریخی تسلسل کی وہ کڑیاں ٹوٹ گئی ہیں جو یہ بتلا سکیں کہ وطن واپس آکر منشی عظیم اللہ نے اپنے مختلف النوع منصوبہ کو کس طرح عملی جامہ پہنایا۔ تاہم پیامِ آزادی کے جو چند شمارے انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہیں ان سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ہندوستان کے اس سب سے پہلے قومی اخبار کی اشاعت منشی عظیم اللہ کی کوششوں کی رہینِ منت تھی۔ وہی اس اخبار کے بانی اور روحِ رواں تھے۔ اخبار کا پہلا شمارہ فروری ۱۸۵۷ء میں منظرِ عام پر آیا۔ یہ اخبار مرزا بیدار بخت (شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کے پوتے)، کے دستخطی فرمان سے شائع ہوتا تھا۔ گویا آج کل کی اصطلاح میں بادشاہ کے حکم سے، مرزا بیدار بخت اس اخبار کے ایڈیٹر، طابع اور ناشر تھے۔

پیامِ آزادی کے اقتباسات سے ۱۸۵۷ء کے انقلاب پر خاصی روشنی پڑتی ہے۔ ۱۸۵۸ء میں لندن میں شائع ہونے والی کتاب "دی نیریٹیو آف دی انڈین ریوولٹ" میں پیامِ آزادی کا ایک اقتباس دیا ہوا ہے جس میں روہیلکھنڈ کی فوجوں سے جنگ آزادی میں شامل ہونے کی اپیل کی گئی ہے۔ اقتباس یہ ہے:

بھائیو! دلی میں فرنگیوں کے ساتھ آزادی کی جنگ ہو رہی ہے اللہ کی عنایت سے ہم نے انہیں جو پہلی شکست دی ہے، اس میں وہ اتنے گھبرا گئے ہیں، جتنا دوسرے وقت میں دس شکستوں سے بھی نہ گھبراتے بے شمار ہندوستانی بہادر، دلی میں آن آن کر جمع ہو رہے ہیں۔ ایسے موقعہ پر اگر آپ کھانا وہاں کھا رہے ہوں تو ہاتھ یہاں آکر دھوئیے ہمارے کان اس طرح آپ کی طرف لگے ہوتے ہیں جس طرح روزہ داروں کے کان مؤذن کی اذان کی طرف لگے رہتے ہیں۔ ہم آپ کی توپوں کی گھن گرج سننے کے لیے بے چین ہیں۔ ہماری آنکھیں آپ کے دیدار کی پیاسی سڑک پر لگی ہوئی ہیں آپ کا فرض ہے کہ فوراً آئیے۔ ہمارا گھر آپ کا گھر ہے۔ بنا آپ کی آمد کے بہار کے گلاب کے پھول نہیں کھل سکتے۔"

لندن ٹائمز نے سر ولیم رسل کو ہی ہندوستان کی جنگِ آزادی کی رپورٹ دینے کے لیے اپنے خصوصی نامہ نگار کی حیثیت سے یہاں بھیجا تھا۔ انہوں نے لندن ٹائمز کے ایڈیٹر جان کے ڈلیو کے نام لکھنو سے اپنے خط کے ساتھ پیامِ آزادی میں شائع شدہ شہنشاہ بہادر شاہ کے اعلان کی ایک کاپی بھی بھیجی تھی۔ جس سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ حقیقی معنوں میں ہندوستان کی جنگ آزادی تھی۔ اور اخبار "پیامِ آزادی" اس جنگ کا نقیب تھا۔ شہنشاہ کا اعلان بعینہٖ درج ذیل ہے۔

"ہندوستان کے ہندوؤ اور مسلمانو! اُٹھو بھائیو اُٹھو خدا نے انسان کو جتنی برکتیں عطا کی ہیں ان میں سب سے قیمتی برکت آزادی ہے، وہ ظالم ناہنجار، جس نے دھوکا دے کر ہم سے یہ برکت چھین لی ہے کیا ہمیشہ کے لیے وہ ہمیں اس سے محروم کر سکے گا؟ کیا خدا کی مرضی کے خلاف اس طرح کا کام ہمیشہ جاری رہ سکتا ہے؟ نہیں کبھی نہیں۔ فرنگیوں نے اتنے ظلم کئے ہیں کہ ان کے گناہوں کا پیالہ لبریز ہو چکا ہے خدا نہیں چاہتا کہ تم اب خاموش رہو۔ کیونکہ اس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے دل میں انگریزوں کو اپنے ملک سے نکالنے کی خواہش پیدا کر دی ہے۔ اور خدا کے فضل اور تم لوگوں کی بہادری سے انگریزوں کو جلد ہی اتنی کامل شکست ملے گی کہ ہمارے ملک ہندوستان

میں ان کا ذرا بھی نشان نہیں
رہ جائے گا۔ ہماری اس فتح
میں چھوٹے بڑے کی کوئی
تمیز نہ ہوگی۔ سب کے ساتھ
برابری کا برتاؤ کیا جائے گا
اس پاک جنگ میں شریک ہونے
والے سب آپس میں بھائی
بھائی ہیں۔ ان میں چھوٹے
بڑے کا کوئی فرق نہیں۔ میں
اپنے تمام ہندی بھائیوں سے
درخواست کرتا ہوں کہ خدا
کے تباہ ہوئے اس پاک
فرض کو پورا کرنے کے لیے
میدانِ جنگ میں کود پڑیں"

جی وی مالیشن نے اپنی کتاب "دی ریڈ پمفلٹ"
میں پیامِ آزادی کا ایک ادارتی شذرہ نقل
کیا ہے جو اس طرح ہے۔

ہند کے باشندو! عرصے
جس کا انتظار تھا، آزادی کی
وہ پاک گھڑی آن پہنچی ہے۔
ہندوستان کے باشندے اب
بم دھوکے میں آتے رہے
اور اپنی ہی تلوار سے اپنے
گلے کاٹتے رہے اب ہمیں
ملک فروشی کے گناہ کا کفارہ
کرنا چاہیے۔ انگریز اب بھی
اپنی پرانی دغا بازی سے کام
لیں گے۔ وہ ہندوؤں کو
مسلمانوں کے خلاف اور مسلمانوں
کو ہندوؤں کے خلاف ابھارنے
کی کوشش کریں گے۔ لیکن بھائیو!
ان کے جال اور پھندے میں
نہ پھنسنا۔ ہندو مسلمان بھائیو!
اپنے چھوٹے چھوٹے طبقاتی
مفادات کو بھول جاؤ، اور
میدانِ جنگ میں ایک جھنڈے
کے نیچے کھڑے ہو جاؤ، جو
بھی اس قومی جنگ کی
مخالفت کرے گا وہ خود
اپنے سر پر کلہاڑی مارے
گا اور خودکشی کا گناہ کریگا"

دلی کے محاصرہ کے دوران انقلاب
کے لیڈروں کے درمیان شدید اختلافات
ہو گئے تھے شہنشاہ نے اس صورت حال
کو بڑی شدت سے محسوس کیا اور ایک
دردبھری نظم کے ذریعہ لوگوں سے باہمی
اتحاد اور نظم و ضبط برقرار رکھنے کی
اپیل کی یہ پوری نظم "پیامِ آزادی" میں
شائع ہوئی تھی۔ نظم کا ایک شعر یہ ہے

قفس میں ہے کیا فائدہ شور و غل سے
اسیرو کرو کچھ رہائی کی باتیں

سر ولیم ہاورڈ نے اپنی ڈائری
میں لکھا ہے کہ دلی پر قبضہ کر لینے
کے بعد انگریزوں نے پیامِ آزادی
کے ایڈیٹر مرزا بیدار بخت کے بدن
پر سور کی چربی مل کر پھانسی پر لٹکا دیا۔

سر ہنری کاٹن اپنی کتاب "انڈین
اینڈ ہوم میموائرس" میں لکھتا ہے کہ
"انگریزوں کے دلی پر قبضہ ہو جانے
کے بعد بلا امتیاز لوگوں کو پھانسی پر
لٹکا دیا جاتا تھا، خاص کر ان لوگوں کو
جن کے گھروں سے پیامِ آزادی کا ایک
بھی شمارہ مل جاتا تھا"

دنیا کے اخبارات کی تاریخ میں شاید
ہی کسی دوسرے اخبار کا قاری ہونے کے جرم
میں کسی کو ایسی ظالمانہ اور بہیمانہ سزا کا مستوجب
گردانا گیا ہو۔

آج جب کہ ان پاک شہدا کے مقدس
خون کے طفیل ہم آزادی کی نعمت سے
بہرہ ور ہیں ہمیں چاہیے کہ ہم انقلاب ۱۸۵۷
کے سرفروش مجاہدوں کے عظیم کارناموں اور
انقلاب کے داعی "پیامِ آزادی" کو فخر و
نازش کے ساتھ یاد کریں اور اس یاد سے
اپنے دلوں کو گرماتے رہیں۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

ماہانہ مجلس ذکر مسجد خضریٰ سمن آباد

۴ رجنوری ۱۹۸۱ء بروز اتوار
بعد نماز مغرب، دعوت عام ہے۔

ایک ضروری اعلان

بعض حضرات پرچہ کی خریداری
بل، اشتہار کی رقوم ادارہ کے بعض
افراد کے نام ارسال کر دیتے ہیں۔
جس سے خاصی الجھنیں پیدا ہوتی
ہیں ـــــ ازراہ کرم اس سلسلہ
کی جملہ رقومات مینجر ہفت روزہ
خدام الدین [illegible] کے نام ارسال
کریں ـــــ ضروری ہے۔

(ناظم)

صحت و تندرستی

حکیم محمد سعید

آج پوری دنیا میں یہ شور
برپا ہے کہ امراضِ قلب وبا کی
طرح پھیل رہے ہیں۔ دنیا کے ہر
ملک میں طب و تحقیق کی تمام
توانائیاں اور تمام ذرائع امراضِ قلب
کی روک تھام پر صرف ہو رہے ہیں
مگر اس کے باوجود حالات بے قابو ہیں
اور بعض حالات میں اسبابِ اموات
میں امراضِ قلب سرِفہرست ہیں۔ یہ
حالات اس کے مقتضی ہوئے ہیں، کہ
عالمی ادارۂ صحت' یعنی ورلڈ ہیلتھ
اور گنائزیشن نے اس سال قلب ہی
کو اپنا موضوع بنایا ہے اور دنیا کو
یہ پیغام دیا ہے کہ :۔

YOUR HEART IS YOUR HEALTH

یعنی جیسا قلب ویسی صحت ۔

اب ہم غور کرتے ہیں کہ قلب
کیا ہے ؟

قلب ایک آلۂ جذب و دفع
ہے اور جسم میں خون کو گردش دینا
قلب کا خاص عضوی فعل ہے۔ اس
کے ساتھ ہی قلب ایک عجوبہ طلسم
ہے۔ الحیّ القیوم کی صفت کا مظہرِ خاص
اور بقائے حیات و صحت کا مرکز و منبع۔
رب العالمین کے ارشاد کے
مطابق انسان کی حقیقی فلاح و کامرانی
کا انحصار قلبِ سلیم پر ہے۔ قرآن
حکیم میں واضح طور پر بتا دیا گیا
ہے کہ :۔

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا
بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ
سَلِيْمٍ (شعراء آیت ۸۸)

یعنی : (قیامت کے روز) نہ
مال کام آئے گا نہ اولاد، مگر اس
شخص کے لئے جو اللہ کے پاس قلب
سلیم لے کر حاضر ہو۔

قلب ایک دھڑکتا ہوا عضلہ
ہے یا مادی سائنس کی اصطلاح میں
جسم کی مشین کا ڈائنمو ہے مگر حق
یہ ہے کہ قلب مادی اور روحانی عالم
کی درمیانی کڑی ہے اور قلب خالق
ارض و سما کی تجلّی کا مقام ہے اور
بقولِ مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم :

اَلَا اِنَّ فِى الْجَسَدِ مُضْغَةً
اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ
وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ
اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ ۔

یعنی : دیکھو! جسم میں گوشت
کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ ٹھیک
ہوتا ہے تو سارا بدن ٹھیک ہوتا
ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے
تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے۔ یہ لوتھڑا
قلب ہے"۔

قلب کی دوامی اور مستمر
حرکت بالذات ہے۔ جسم کے تمام
دوسرے اعضاء اپنے افعال میں قلب
کے محتاج ہیں لیکن خود قلب کسی
عضو کا طفیلی نہیں ہے۔ جنین میں
نظامِ عصبی کی پیدائش سے پہلے نقطۂ
قلب پیدا ہو کر خود بخود حرکت
کرنے لگتا ہے اور اسی حرکت مستمرہ
سے حیات کا آغاز ہوتا ہے۔ حیات
کا فیضان اوّلاً قلب پر ہوتا ہے۔
زندگی قلب ہی کے جینے سے عبارت
ہے۔ قلب کا متحرک بالذات ہونا
ہی کسی دوسرے عالم سے اس کے
اتصال کو ثابت کرتا ہے اور یہی
وہ چیز ہے جس کو روح اور روحانیت
سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قلب طبیعی
حیات اور حیاتِ شاعرہ دونوں کا
مرکز اور مقامِ اتصال ہے۔ قلب پر
حواس و الفاظ کے احاطے سے ماوری
حقائقِ کلّیہ کا فیضان و القا ہوتا ہے۔
قلب وجدان اور کشف و الہام کا
مرکز ہے۔ اسی لیے تو قرآن حکیم لے کر
نازل ہوتے تھے جبرئیل امین آپؐ
کے قلب پر!

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ
عَلٰى قَلْبِكَ (شعراء ۱۹۴)

اور اسی لئے تو واضح طور پر
قرآن حکیم میں فرما دیا گیا ہے کہ اسکیم،

اندھی نہیں ہوتیں، درحقیقت وہ دل اندھے ہوتے ہیں کہ جو سینوں میں رکھے ہوتے ہیں ۔

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ (الحج ۴۶)

اہل طب و سائنس نے اس بات کو متفقہ طور پر تسلیم کر لیا ہے کہ امراضِ قلب طرزِ حیات میں فساد و خرابی کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں اور عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ تعیّش کی زندگی امراض کے شیوع کا خاص سبب ہے اور قلب کے امراض سے بچنے کے لئے طرز حیات اور عادات و اطوار کا بدلنا سب سے مقدّم ہے ۔ آج مادی تہذیب (جس نے مشینی اور صنعتی پیکر میں جنم لیا ہے) انسانی معاشرے کی اکثر خرابیوں کی بنا ہے ۔ اور یہ روحانی اقدار سے براہِ راست متصادم ہو رہی ہے ۔ کھانا پینا، سونا جاگنا، پہننا اوڑھنا چلنا پھرنا، حرکات و سکنات، جذبات و احساسات، جنسی تعلقات و اقتصادیات، انفرادی و اجتماعی اخلاقیات، صلح و جنگ، غرض تمدن و معاشرت اور انسانی حیات کے نظم و ضبط کا وہ کون سا پہلو ہے جس کو مادیّت نے تہہ و بالا نہیں کر دیا ہے اور زیر و زبر کر کے نہیں رکھ دیا ہے ۔

آج ساری مہذّب دنیا میں شور برپا ہے کہ دل حیات سے کنارا کر رہا ہے یا حیات دل کو چھوڑ رہی ہے اور یہ بھی تسلیم کیا جا رہا ہے کہ امراضِ قلب کا زیادہ تر تعلق طرزِ حیات اور اخلاق و کردار سے ہے ۔ دراصل یہی وہ نقطہ ہے اور یہی وہ مقام ہے کہ غور و فکر کی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لایا جائے اور مسئلے کا حل تلاش کیا جائے ۔ اس باب میں نقطۂ فکر یہ ہونا چاہیئے کہ امراضِ قلب سے نجات کی صورت یہ ہے کہ قدرت کے خلاف سرکشی سے توبہ اور زندگی کے نصب العین میں تبدیلی کی جائے، یعنی واضح تر الفاظ میں یہ کہ دنیا کی تمام طاقتوں سے بغاوت کر کے اللہ تعالیٰ کی وفاداری کی راہ اختیار کی جائے ۔

قرآن حکیم نے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیائے فانی میں زندگی بسر کرنے کے رَہ نما اصول شرح و بسط کے ساتھ انسان کے سامنے رکھ دئے ہیں ۔ یہ سارے اصول سادگی اور ضوابطِ فطرت کا انسان کو پابند کرتے ہیں ۔ جب تک انسان احکامِ قدرت و فطرت کا تابع رہتا ہے اس کی صحت و تندرستی آفات سے محفوظ رہتی ہے اور جب بھی وہ فطرت سے بغاوت کرتا ہے صحت اُس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے ۔ دراصل اصولِ فطرت سے مسلسل انحراف نے انسان کے قلوب کو سب سے زیادہ اس لئے بھی متاثر کیا ہے کہ وہ خوفِ خدا سے خالی ہو گیا ہے ۔ آج کے ا[illegible] نے قلب کو محض ایک پمپنگ ا[illegible] قرار دے دیا ہے اور یہ فرا[illegible] دیا ہے کہ قلب وجدان اور ک[illegible] و الہام کا مرکز بھی ہے ۔ قلب[illegible] اس مرکزیت اور حیثیت کو نظ[illegible] کر کے اُس کی محض عضویاتی حیثی[illegible] پر توجہات مرکوز کر کے نہ ہم ا[illegible] قلب میں حقیقی کامیابی ہی حاص[illegible] سکتے ہیں ۔ علمائے طب کے ل[illegible] نہایت اہم مقامِ فکر ہے ۔

فرمودات ربّانی

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ (الفجر [illegible])

بلاشبہ تیرا پروردگار تو تجھے ہر د[illegible] جھانک لگائے تاک رہا ہے ۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُ[illegible] يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (الانعام [illegible])

اگرچہ اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا [illegible] وہ سب کو دیکھتا ہے ۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَ[illegible] الْوَرِيْدِ ۔ (ق ۱۶)

ہم تو تمہاری شہ رگ سے بھی زیا[illegible] تمہارے قریب ہیں ۔

وَلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا [illegible] عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا (یونس ۶۱)

تم جو کوئی کام بھی کر رہے ہوتے [illegible] ہو ہم تمہارے پاس موجود ہوتے ہیں

ہے اپنا مرکزِ اُلفت وہ گُنبدِ خضریٰ

نہیں کہ اُس ستم ایجاد سے محبّت ہے　　ہمیں تو حُسنِ خداداد سے محبّت ہے
فراعنہ سے نہ شدّاد سے محبّت ہے　　ہمیں غریب کی فریاد سے محبّت ہے
نہ ہم کو لیلیٰ سے اُلفت، نہ عشقِ شیریں سے　　ہمیں تو قیس سے فرہاد سے محبّت ہے
وہ خار و خس ہو کہ گُل ہو کہ سبزۂ پامال　　ہمیں ہر ایک چمن زار سے محبّت ہے
ہر ایک کوچۂ قاتل میں سربکف ہم ہیں　　ہر ایک خنجرِ جلّاد سے محبّت ہے
عمرؓ ہوں وہ کہ ہوں صدّیقؓ، علیؓ ہوں یا عثمانؓ　　ہر اک کے وصفِ خداداد سے محبّت ہے
ہے اپنا مرکزِ اُلفت وہ گنبدِ خضریٰ　　نبیؐ کی آل سے، اولاد سے محبت ہے

ہر ایک مردِ قلندر سے عشق ہے ہم کو
ہر ایک بندۂ آزاد سے محبّت ہے

آزاد شیرازی مدیر تذکرہ لاہور

یکم نومبر ۱۹۸۰ء

تبصرہ کتب

سیرتِ عثمانی

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب قدس سرہ العزیز حضرت حکیم الامت تھانوی علیہ الرحمہ کے قریبی عزیز اور پختہ کار اہلِ علم تھے علمی دنیا میں "اعلاء السنن" ان کا شاہکار ہے ۔ سیاسی میدان میں بانیٔ پاکستان ان کی خدمات کے معترف تھے اور اسی وجہ سے ڈھاکہ مرحوم میں پاکستانی پرچم ان کے ہاتھوں لہرایا گیا۔ محمد اکبر شاہ صاحب بخاری جو اکابر اہل علم سے مخلصانہ تعلق رکھتے ہیں، نے مرحوم سے متعلق اکابر اہل علم و فضیلت کے مضامین کا مجموعہ مرتب کر کے چھاپ دیا ہے جو بلاشبہ ایک عظیم خدمت ہے۔ ہم بخاری صاحب کو مبارک دیتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ ان کی یہ محنت کامیاب ہو۔

-/۱۲ روپے میں یہ رسالہ مکتبہ عبیدیہ نقشبندیہ بلاک ۳۹ ڈیرہ غازیخاں سے دستیاب ہے ۔

بادۂ شیراز در جامِ اردو

مطلب طاعت و پیمانِ صلاح از منِ مست
کہ بہ پیمانہ کشی شہرہ شدم روزِ الست

من ہماں دم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق
چار تکبیر زدم یکسرہ بر ہر چہ کہ ہست

می بدہ تا دہمت آگہی از سرِّ قضا
کہ بروئی کہ شدم عاشق و بر بوئی کہ مست

کمر کوہ کم ست از کمر مور ایں جا
نا امید از در رحمت مشو ای بادہ پرست

جان فدائی دہنت باد کہ در باغِ نظر
چمن آرائی جہاں خوشتر ازیں غنچہ نہ بست

بجز آں نرگسِ مستانہ کہ چشمش مرساد
زیر ایں طارم فیروزہ کسی خوش ننشست

حافظ از دولتِ عشق تو سلیمانی یافت
یعنی از وصل تواش نیست بجز باد بدست

لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

زہد و تقوےٰ کی توقع اور مجھ مے خوار سے
ہیں ازل سے پی رہا ہوں مے نگاہِ یار سے

عشق کے چشمے سے یارو جب کیا مَیں نے وضو
کر لیا ترکِ تعلق زاہدِ عیّار سے!

کس کی صورت پر ہوں عاشق، کس کی خوشبو پر ہوں مست
مے پلا، تا کہ اٹھاؤں پردہ اس اسرار سے

یہ گناہوں کا پہاڑ اُس کی نظر میں کچھ نہیں
نا اُمیدی رحمتِ غفّار سے، ستّار سے؟

جاں فدا کیوں کر نہ ہو اپنی دہانِ یار پر
کوئی غنچہ اس سے خوشتر تو دکھا گلزار سے

اس چمن میں کون ہے اُس چشمِ نرگس کے سوا
جو بچا ہو آسماں کی گردشِ پُرکار سے

عشق کے بدلے میں حافظ کو سلیمانی ملی
جُز ہوا، اس کو ملا ہے کیا وصالِ یار سے

پیمانہ بردارِ میخانہ حافظ۔ حکیم آزاد شیرازی

طبّی سوال و جواب کا سلسلہ

ہفت روزہ "خدام الدین" میں طبی معلومات کے ساتھ ساتھ طبی سوال جواب کا سلسلہ بھی جاری کیا جارہا ہے۔ آپ اپنی بیماری کا مفصل حال لکھ کر مفت طبی مشورہ حاصل کر سکتے ہیں

جملہ خطوط بنام حکیم آزاد شیرازی، اندرون شیرانوالہ دروازہ لاہور

ٹیلی فون نمبر ۶۷۵۴۵
ہفت روزہ خدام الدین لاہور
رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۷۴
فیروزسنز لمیٹڈ کے سربراہ جناب عبدالحمید خاںؒ
کے قلم سے
امام الاولیاءؒ حضرت لاہوریؒ کی حیات طیبہ پر ایک مکمل تالیف
مردِ مومن
کا مطالعہ کیجئے
قیمت تیرہ روپے پچاس پیسے، ڈاک خرچ دو روپے فی نسخہ
براہ راست طلب فرمائیے
ناظم: تالیفات واشاعت انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور